انٹرویو: حضور اقدس أيده الله تعالى بنصره العزيز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور انٹرویو ۱

۸ فروری ۲۰۰۸

صدر صاحب: حضور کیا آپ اپنے بچپن کے بارے میں ہمیں بتا سکتے ہیں۔ کچھ ایسے نمایاں واقعات جو آپ بتانا پسند فرمائیں؟

حضور: کئی باتیں ہیں۔ جب میں پندرہ سال کا تھا اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات ہوئی ہے۔اس سے پہلے چھوٹی عمر میں بھی ایک عزت اور احترام ہوتا تھا۔ باوجود اسکے کہ وہ میرے نانا تھے کبھی ہماری جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ان کے سامنے بات کریں یا آرام سے چلے جائیں۔ بڑے احترام سے جانا احترام سے بیٹھنا۔ خلافت کے احترام کا ایک واقعہ یاد آ گیا جس نے میرے دل میں خلافت کا مزید احترام پیدا کر دیا۔ میرے دادا حضرت مرزا شریف احمدؓ صاحب جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ ایک دن مجھے ساتھ اُن سے ملنے لے گئے۔ (جب حضرت مرزا شریف احمد کی وفات ہوئی تو میں گیارہ سال کا تھا، اسکا مطلب ہے کہ جب مجھے ساتھ لے گئے تو میں نو یا دس سال کا تھا یا اس سے بھی چھوٹا)۔ ہم ربوہ میں قصرِ خلافت گئے اور مسجد مبارک کی طرف دروازہ کے نیچے کھڑے ہوگئے۔ مجھے اوپر بھیجا کہ جاؤ اور بتاؤ کہ میں ملنے آیا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ان دنوں بیمار تھے اور اوپر کمرے میں آرام کیا کرتے تھے۔ یہ نہیں کیا کہ چھوٹا بھائی ہوں تو چل کر گھر میں گھس گئے، (مجھے کہا) پہلے (حضورؓ) کو اطلاع کرو جا کر۔ اس وقت حضرت چھوٹی آپا (آپ کی اہلیہ) ڈیوٹی پر تھیں اور اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ساتھ تھیں۔ میں نے بتایا کہ اسطرح دادا جان ('ابا جان' ہم کہتے تھے) کہ ملنے آئے ہیں۔ کہنے لگیں کہ ٹھیک ہے بلا لاؤ۔ (کیونکہ) حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ لیٹے ہوئے تھے چھوٹی آپا نے ان کے سرہانے کرسی رکھ دی کہ ادھر بیٹھ کر باتیں کرلیں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اوپر کی منزل میں تھے، میں نیچے آیا اور مرزا شریف احمد صاحبؓ کو اوپر بلا لایا۔ حضرت مرزا شریف احمدؓ صاحب السلام علیکم کر کے بجائے کرسی پر بیٹھنے کے ان کی چارپائی کے ساتھ نیچے بیٹھ گئے اور پھر بہت ادب سے احترام سے باتیں ہوئیں۔ اور پھر وہ سلام کر کے کھڑے ہوئے۔ اسطرح ایک طرف سے ہو کر احترام سے نکلے کہ اس وقت مجھے مزید خیال ہوا کہ یہ ہے خلافت کا احترام جس کی عملی شکل میرے دادا نے مجھے دکھائی۔ جتنی جتنی عمر بڑھتی گئی تو پھر ہم میں اس احترام کی وجہ سے اور بھی زیادہ جھجک پیدا ہوتی گئی۔ خوف ڈر نہیں تھا لیکن جھجک احترام کی وجہ سے ہوتی تھی۔

طارق بی ٹی: آپ نے کہا کہ وہ آپ کے نانا تھے، رشتہ داری کا بھی (لحاظ) ہوتا ہے؟

حضور: وہ میرے نانا تھے بے تکلفی سے مذاق بھی کر لیا کرتے تھے۔ وہ مذاق بھی کرتے تھے اور enjoy بھی کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ہم میں جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ہم بھی اسی طرح آگے سے جواب دے دیں، جیسے ہوتا ہے کہ بعض دفعہ بچے آگے سے جواب دے رہے ہوتے ہیں۔

طارق بی ٹی: آپ کی اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ کیسے relationship تھے؟

حضور: (ٹومی کاہلوں کی طرف انگریزی میں) کیا آپ کو سمجھ آئی؟

حضور: کیسی relations تھیں بہن بھائیوں کے ساتھ؟ میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا اور سب سے چھوٹے بھائی بہن جو ہوتے ہیں ان میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جو بڑا ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ میرا یہ بھی کام کر دو اور یہ بھی کام کر دو۔ لیکن بہر حال (ہمارا) تعلق بھی بڑا تھا۔ بہن بھائیوں میں خاص طور پر میری سب سے بڑی بہن اور میرے سے immediate بڑے بھائی سے میرا خاص تعلق تھا۔ بہن بھائیوں کا احترام ادب وغیرہ بہت تھا۔ کبھی میں نے تُو تکار نہیں کی۔

صدر صاحب: حضور کوئی ایسا واقعہ ہو بچپن کا بہن بھائیوں کے ساتھ جماعت کے سلسلہ میں یا کوئی ایسا واقعہ ہو جو حضور share کرنا چاہیں۔

حضور: تربیت ہماری یہ تھی کہ بچپن سے ہی (ہم) اطفال الاحمدیہ کی تنظیم کے ساتھ منسلک تھے اور میرے بڑے بھائی زعیم محلّہ تھے، وہ خدام الاحمدیہ میں جاتے ہی زعیم بن گئے تھے اور میں ابھی اطفال میں تھا۔ وہ تین سال بڑے تھے۔ زعیم ہونے کے لحاظ سے میں ان کی اور بھی عزت کرتا تھا۔

طارق بی ٹی: تو اس طرح کیا وہ آپ کو instructions بھی زیادہ دیتے تھے؟

حضور: نہیں۔ جس طرح باقیوں کو treat کرتے تھے اسی طرح مجھے بھی (treat کرتے تھے)۔ آپ نے میری hobbies اور interests کے بارے میں دریافت نہیں کیا۔

صدر صاحب: حضور کچھ (سوالات) skip کئے ہیں لیکن اگر حضور فرمائیں تو اسی ترتیب میں ان کو (پوچھ سکتے ہیں)

حضور: As such تو میری کوئی بھی Hobbies نہیں تھیں مگر ریگولر گیم ہم ضرور کھیلا کرتے تھے۔ دوسرے ہمارے والد صاحب کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ ہر ہفتہ میں چھٹی کے دن وہ شکار پر جاتے تھے اور ہمیں ساتھ لے جاتے تھے۔ اس شروع کے زمانے میں ربوہ میں کچی سڑکیں ہوتی تھیں اور ربوہ کے ساتھ کا علاقہ جنگل کی طرح تھا۔ ہمارے بچپن میں اتنا آباد نہیں ہوا تھا۔ ہم پیدل ہی جاتے تھے اور ربوہ سے باہر نکلتے ہی شکار شروع ہو جاتا تھا۔ اب تو ربوہ میں اتنی ایئر گنز ہیں کہ انہوں نے شکار کو ختم ہی کر دیا ہے۔

طارق بی ٹی: کیا کوئی خاص چیز شکار کیا کرتے تھے؟

حضور: فاختہ، خرگوش، تیتر بھی مل جاتے تھے (اس کے علاوہ) کبوتر بھی۔ اس لئے بچپن سے ہی اس کا شوق تھا۔ ہمارے پاس ایئر گن ہوتی تھی۔ ہم دونوں بھائی کچھ فرق سے تھے اس لئے خود بھی نکل جاتے تھے۔ جلسے کے بعد وہاں پرالی آیا کرتی تھی Rice stalk کو پرالی کہتے ہیں۔ وہ وہاں پڑی ہوتی تھی اور اس میں فاختائیں اور چڑیاں وغیرہ بہت آتی تھیں۔ ایئر گن ہوتی تھی اس سے (ہم) بڑے نشانے لیا کرتے تھے۔ اسکے بعد اس کے خوب بھون کر تکے بنا کر کھایا بھی کرتے تھے۔
اس کے علاوہ ہم شام کو باقائدہ گیمز بھی کھیلتے تھے۔ ہمارے گھر کے سامنے گراؤنڈ ہوتی تھی۔ اس وقت بہت گھر نہیں بنے ہوئے تھے (بس) شروع کے چند ایک گھر تھے اور ایک بہت بڑا خالی میدان ہوتا تھا۔ وہاں بڑے بھی کرکٹ کھیلا کرتے تھے۔ ہم ان کو بیٹھ کر دیکھا کرتے تھے۔ اسکے بعد ہی شاید شوق develop ہو گیا۔ فخر (صدر صاحب خدام الاحمدیہ یوکے) کے دادا کی (بھی) ایک ٹیم ہوتی تھی اور وہ اس کے کیپٹن ہوتے تھے۔ اس (ٹیم) میں ان کے بھائی اور بہت سے اور لوگ کرکٹ کھیلتے تھے۔ اکثر ان میں (سے) فوت ہو چکے ہیں یا اسی پچاسی سال کی عمر کو touch کر رہے ہیں۔ ہم سارا دن بیٹھ کر ان کو دیکھا کرتے تھے۔
بہر حال اس لحاظ سے بھی یہ (شکار) ایک ہابی رہی کہ بڑے ہو کر جب بھی وقت ملتا تھا یا موسم یا سیزن آتا تھا تو ہفتہ میں ایک دفعہ ضرور شکار کے لئے جاتے تھے۔ مستقل گیم کرکٹ یا بیڈمنٹن وغیرہ باہر جا کر کھیلتے رہے ہیں۔

طارق بی ٹی: (کیا) شکار کا شوق آپ کو بچپن سے ہی تھا؟

حضور: (ہاں) بچپن سے ہی تھا۔ ابا کے ساتھ جا جا کر شوق ہو گیا تھا۔ بلکہ بعض دفعہ ہمیں اتنا چلاتے تھے کہ ہم لوگ تھک جاتے تھے۔ جس دن خرگوش (شکار ہوتا) تو اس دن مشکل پڑ جاتی تھی کیونکہ اٹھا کر لانا بڑا مشکل ہوتا تھا۔

طارق بی ٹی: ہم یہاں کے لوگ بہت نرم دل ہیں۔ صدر صاحب سے عموماً یہی بات ہوتی ہے کہ چھوٹی سی عمر میں سکولوں میں ایسا نرم دل بنا دیتے ہیں کہ شکار کرنا بہت مشکل لگتا ہے۔

حضور: آپ نرم دل ہیں؟! یہاں تو شکار کا میگزین آتا ہے۔ اس میں بارہ سال کے بچے بچیاں بڑی اچھی شوٹنگ کر رہے ہوتے ہیں!

ٹومی: حضور میں ان واقعات اور (روحانی) تجارب کے بارے میں جاننا چاہوں گا جنکا مشاہدہ آپ نے خدا تعالیٰ کی ہستی کے زندہ ثبوت کے طور پر اپنے بچپن کی عمر میں کیا؟

حضور: بچپن اور ابتدائی عمر سے تعلق رکھنے والے واقعات تو بہت ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ اسوقت کا ہے جب میں ۱۵ سال کا تھا۔ اس وقت دسویں جماعت کا امتحان جسے میٹرک بھی کہتے ہیں ہوا کرتا تھا اب بھی ہوتا

ہے، سیکنڈری بورڈ کے امتحان کا یہ پہلا تجربہ ہوا کرتا ہے اس سے پہلے اگرچہ سکول میں امتحان ہوتے ہیں لیکن (میٹرک کے لئے) بورڈ کے امتحان میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ اس امتحان میں میرا میتھس کا پیپر (ریاضی کا پرچہ) بہت خراب ہوا تھا اور بظاہر کوئی امید نہیں تھی کہ میں اس سال میٹرک کے امتحان میں کامیاب ہوسکوں گا۔ چنانچہ اسکا ایک ہی حل تھا کہ خدا کے آگے جھکا جائے۔ اسلئے (رزلٹ آنے تک) تین ماہ کا جو وقت تھا اسمیں میں نے بہت دعائیں کیں۔ یہ میرے لئے ایک قسم کا زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ آخر کار جب رزلٹ آیا تو میں امتحان میں پاس تھا۔ مجھے اس بات پر (خوشی کے ساتھ) سخت تعجب تھا کہ آخر یہ کیسے ممکن ہوا کیونکہ ریاضی کا پرچہ جس میں، میں دس فیصد سے زیادہ نمبروں کی توقع نہیں کر رہا تھا اسمیں مجھے "C" گریڈ ملا۔ پھر کچھ دیر بعد جاکر پتہ لگا کہ چونکہ (اس سال) ریاضی کا سخت اور مشکل پرچہ ڈالا گیا تھا اسلئے کئی سٹوڈنٹس کیطرف سے اسکے متعلق آواز اُٹھائی گئی تھی چنانچہ سیکنڈری بورڈ نے Grace Marks دینے یا (پرچوں کی) مارکنگ میں نرمی کرنے کا فیصلہ کیا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ ان دعاؤں کا فیض خود مجھے بھی پہنچا اور میرے علاوہ اسکا فائدہ دیگر سٹوڈنٹس کو بھی ہوا۔

ندیم الرحمٰن: حضور! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کا فرد ہونا (یعنی اِس خاندان سے آپکا تعلق ہونا) آپکی پرورش (اور تربیت) پر کس رنگ میں اثر انداز ہوا؟

حضور: میرا خیال ہے کہ میری پرورش اور تربیت میں خاندان کے دیگر افراد کی نسبت میری اپنی فیملی کا کردار اور اثر زیادہ ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ہمارے گھر کا ماحول بہت دینی اور اصولوں اور نظم وضبط کی سختی سے پابندی کرنے والا ماحول تھا۔ اِسلئے گھر کا کوئی فرد اسلام کی بنیادی تعلیم سے اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ابا مجھے نمازِ فجر کے لئے اٹھایا کرتے تھے اور اگر میں گہری نیند میں ہوتا تو وہ میرے منہ پر پانی کے چھینٹے مارا کرتے تھے اسطرح میں گہری نیند سے اُٹھنے کے قابل ہو جاتا تھا۔ فجر کے بعد وہ مجھے اور میرے بھائی کو ورزش کرنے کو کہتے تھے اور خود بھی

ورزش کیا کرتے تھے اور ہم انہیں follow کیا کرتے تھے۔ تو بچپن کی ابتدائی عمر سے ہی منظّم disciplined اور قواعد وضوابط کی پابند زندگی تھی۔

طارق بی ٹی: حضور آپ نے پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ذکر کیا۔ انسان کی زندگی پر ایک رول ماڈل کا اثر ہوتا ہے۔ اس چھوٹی عمر میں ذاتی طور پر آپ پر کس کا سب سے زیادہ influence تھا۔

حضور: ایک تو خلافت کے ساتھ تعلق تھا (اور) اس کے بعد میرے ماموں کے ساتھ۔ گھر کا ماحول بھی ایسا تھا۔ چھوٹی عمر سے لے کر سولہ سترہ سال کی عمر تک (بھی) ہمیں اجازت نہیں تھی کہ مغرب کے بعد گھر سے (باہر ہی) نکل سکیں۔ باوجود اسکے کہ ہمارے ارد گرد دائیں بائیں ہمسائے تھے اور گھروں کے بیچ دروازے کھلا کرتے تھے۔ (ہمیں ہدایت تھی کہ) عشاء کے بعد فوراً گھر آنا ہے اور آس پاس دوسروں کے گھر نہیں جانا۔ کالج تک یہ تھا۔ (لڑکے رات کو آوارہ گردی کرتے ہیں تو پھر خراب ہوتے ہیں)۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ جب میرے بھائی کالج میں FSc میں پڑھتے تھے، اس وقت کالج میں یونین الیکشن ہورہے تھے تو وہ دوپہر کو گھر نہیں آئے۔ ہمارے والد صاحب یہی سمجھے کہ کوئی پریکٹیکل ہے (اس وقت دوپہر کو پریکٹیکل ہوتے تھے جو شام تک چلتے تھے)۔ جب مغرب کا وقت گزر گیا اور (بھائی) اس وقت تک نہیں آئے تو انہوں نے کالج فون کیا کہ بتا کریں۔ پتا لگا کہ (بھائی) کالج کے الیکشن کمپین میں شامل تھے اور (اس دن) کوئی plan بن رہا تھا۔ جب واپس آئے تو ابا نے کہا کہ یہ غلط طریقہ ہے۔ جو کرنا ہے مغرب سے پہلے پہلے کرنا چاہیے۔ مغرب کے بعد کوئی کالج والج نہیں۔ تو یہ سب باتیں تھیں۔ اگر عقل ہو تو دوسروں کو دیکھ کر (انسان خود بھی) سیکھ لیتا ہے۔

صدر صاحب: صحابہ میں سے حضور کو کونسے یاد ہیں؟

حضور: حضرت مولانا راجیکی صاحب کے پاس بھی میں گیا ہوں اور انہیں دیکھا ہے۔ انہوں نے ایک تہ خانہ میں کمرہ بنایا ہوا تھا۔ ادھر بیٹھے رہتے تھے وہیں دعائیں کرتے تھے۔ جو بھی آتا تھا تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے۔ میں بھی دعا میں شامل ہوا۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم بقاپوری صاحب بھی ابا کے پاس اکثر آیا کرتے تھے۔ اس وقت جمعہ مسجد مبارک میں ہوا کرتا تھا، مسجد اقصیٰ نہیں بنی تھی۔ ان کے ساتھ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ میں کچھ سات آٹھ سال کا تھا جب ان کی وفات ہوئی۔

پھر مولوی قدرت اللہ سنوری صاحب تھے۔ ان کا کافی آنا جانا تھا۔ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے فارم پر سندھ میں رہے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سندھ کے دورے پر گئے۔ میرے خیال میں کپاس کی فصل تھی۔ پوچھا کہ کتنی yield نکل آئے گی۔ انہوں نے کہا کہ اتنی نکل آئے گی۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور عبدالرحیم درد صاحبؓ آپس میں ایک دوسرے سے انگریزی میں باتیں کرنے لگے کہ شاید مولوی صاحب کو سمجھ نہ آئے اور کہا کہ نہیں اتنی نہیں نکل سکتی۔ مولوی صاحب تو سمجھتے تھے، کہا 'میاں صاحب اتنی نکل آئے گی کیونکہ میں نے اس فارم کے ہر کونے میں دو دو نفل پڑھے ہوئے ہیں۔ مجھے دعاؤں کا اتنا یقین ہے کہ انشاء اللہ اتنی نکل آئے گی' اور نکلی بھی اتنی تھی۔ پرانے بزرگوں کا دعاؤں پر اتنا یقین تھا اور دعاؤں سے بہت کام لیتے تھے۔

ٹومی: حضور! آپ ایک طالبِ علم کے طور پر کیسے تھے؟

حضور: بہت ہی کمزور طالب علم تھا اور کمزور طلباء کے گروپ میں شمار ہوتا تھا۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں نے میٹرک کا امتحان کسطرح پاس کیا تھا۔ دسویں کا امتحان پاس کرنے کے بعد، جیسا یہاں GCSE ہوتی ہے میں نے (مزید تعلیم کے لئے) میڈیکل سائنس کے مضامین منتخب کئے جنہیں پری میڈیکل سائنس کے مضامین کہا جاتا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ میں ایک کمزور طالب علم تھا میری ہمت بلند تھی البتہ میں ان مضامین میں چل نہ سکا۔ لہذا دو سال بعد میں نے ان مضامین کو چھوڑ کر آرٹس کے مضامین سے غالباً پولیٹیکل سائنس اور اکنامکس کے مضامین رکھ لئے۔ اِسکے باوجود بھی میں بورڈ کا امتحان پہلی کوشش میں پاس نہیں

کرسکا۔اوران میں سے ایک مضمون میں مجھے دوبارہ بیٹھنا پڑا۔گریجویشن کے وقت بھی یہی کچھ ہوااور دوسری کوشش میں ہی کامیاب ہوسکا۔

اسکے بعد میں ایگریکلچر یونیورسٹی میں چلا گیا کیونکہ بچپن سے ہی اسکے ساتھ میری دلچسپی تھی میں آغاز سے ہی اپنے ابا کے ساتھ انکے زرعی فارم پر جایا کرتا تھااور وہاں دن بھرٹریکٹر چلاتا تھا۔کچھ دن ایسے بھی ہوتے جب میں چھ سے سات گھنٹے ٹریکٹر چلاتا تھاایک دفعہ تو مسلسل دس گھنٹے تک میں نے ٹریکٹر چلایا۔

گو کہ زرعی یونیورسٹی میں میری تعلیمی کارکردگی بہت اچھی نہ تھی پھر بھی میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوگیا۔اتنے اچھے طور پرامتحان پاس کرنے میں میں کیوں کر کامیاب ہوا، میرے خیال میں اسکے پیچھے میری دعائیں اور مستقبل کے لئے میرے اچھے ارادے ہی تھے!

اب اس موضوع پر میں مزید کہنے کی بجائے میں آپکو بتاتا ہوں کہ جب میں نے زندگی وقف کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے اللہ کے حضور دعا کی کہ(خدایا) میں ایسا اسی صورت میں کرونگا اگر ایم ایس سی(MSc) کے فائنل امتحان میں فرسٹ ڈیویژن آئے ۔میرے خیال میں یہ (رزلٹ) اسی (دعا) کا نتیجہ تھا۔

ندیم الرحمٰن: گذشتہ خلفاء کے ساتھ وہ کونسی خصوصی یادیں ہیں جو حضور کو یاد ہیں؟

حضور: جہاں تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا تعلق ہے انکے بارے میں میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں۔ وہ بیمار تھے اور تقریباً 6سال تک صاحبِ فراش (بستر پر) رہے اور جب وہ فوت ہوئے اسوقت میں پندرہ سال کا تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ میرے ماموں تھے۔خلیفہ منتخب ہونے کے بعد میرے ساتھ انکی محبت اور شفقت پہلے سے کئی گناہ بڑھ گئی تھی۔جب میں یونیورسٹی میں تھا تو وہ مجھے وہاں سے خالص شہد لاکر دینے کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ یونیورسٹی میں ایک ڈیپارٹمنٹ تھا جسکا نام Apiculture Department تھا جسمیں شہد کی مکھیاں پالنے کی تعلیم دی جاتی تھی میں وہاں سے انکے لئے خالص شہد لیکر آتا تھا۔مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے مجھے کچھ پیسے دیئے میں نے کہا کہ ابھی رہنے دیں جب میں شہد لے آؤں گا تو تب پیسے لے لونگا انہوں نے کہا نہیں تم یہ پیسے لے لو کیونکہ میرا طریق ہے کہ جب میں کسی کو کہہ کر کوئی چیز منگواتا ہوں تو اسکی ادائیگی پہلے کرتا ہوں۔ (اِتّفاق سے اس دفعہ) مجھے اس ڈیپارٹمنٹ سے شہد نہ مل سکا۔ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جو کہ احمدی تھے میں نے ان سے ذکر کیا کہ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے لئے شہد چاہیے۔تو انہوں نے شہد لاکر دیا جس کے اندر چھتہ بھی موجود تھا جو کہ شہد کے خالص ہونے کی نشانی ہوتا ہے وگرنہ کئی شہد فروش شہد میں مختلف چیزوں کی ملاوٹ کرکے فروخت کردیتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ (اس احمدی پروفیسر نے)مجھ سے اس شہد کی قیمت نہیں لی تھی چنانچہ میں نے ایک بڑے سے جار میں وہ شہد لاکر دیا اور 20 روپے(جو حضور نے مجھے شہد کے لئے دیئے تھے) واپس دینے چاہے تو حضورؒ نے فرمایا کہ میں دی ہوئی رقم واپس نہیں لیا کرتا۔ یہ پیسے تمہارے ہیں خواہ شہد دینے والے نے تم سے رقم لی ہو یا نہ لی ہو۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں نے اپنی زندگی وقف کرنے کا فیصلہ کیا تو تحریکِ جدید کے کارکنان نے شاید میری کوالیفیکیشن دیکھ کر فیصلہ کیا کہ انہیں میری ضرورت نہیں ۔(انکے خیال میں) نہ ہی وہ مجھے دفتری کام سونپ سکتے تھے اور نہ ہی انہیں افریقن ممالک میں ہمارے سکولوں کے لئے اس مضمون کے کسی ٹیچر کی ضرورت تھی۔ چنانچہ میں نے براہِ راست حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں (ایک خط) لکھا۔حضور نے وہ خط تحریکِ جدید کو کاروائی کے لئے بھجوادیا۔ تحریکِ جدید والوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں عرض کی کہ فی الوقت انہیں اس لڑکے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کوئی اور کام میرے سپرد کرنے کو کہا۔ جب یہ جواب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو ملا تو آپ نے فرمایا کہ **''تمہیں اسکی ضرورت نہیں مگر مجھے اسکی ضرورت ہے''** ۔پھر آپ نے مجھے نصرت جہاں سکیم کے تحت غانا افریقہ جانے کا ارشاد فرمایا۔ غانا روانگی کے وقت جب میں حضورؒ سے ملنے گیا تو حضور نے مجھے گلے لگایا۔ میرے لئے یہ کسی خلیفہ سے گلے ملنے کا پہلا موقعہ تھا ایک اور بات جو حضور نے فرمائی وہ یہ تھی کہ غانا کو گولڈ کوسٹ بھی کہتے ہیں عین ممکن ہے کہ تم وہاں کسی جگہ چل رہے ہو اور تمہارے

جوتے کی ایڑی کسی چیز سے ٹکرائے اور تم (مٹی ہٹا کر) نیچے دیکھو تو وہاں سونا موجود ہوگا!۔ایک بہت اہم بات جو آپ نے مجھ سے کہی تھی وہ یہ تھی کہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ تم غانا ایک واقفِ زندگی کے طور پر جارہے ہو۔اور یہ بھی یاد رکھنا کہ تم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے تعلق رکھتے ہو اسلئے لوگوں کی نظریں تم پر ہونگی اسلئے ہمیشہ اپنے اللہ کو یاد رکھنا کوئی ایسا کام نہ کرنا جو اسلام کی تعلیم اور احمدیت کی روایات سے ہٹ کر ہو۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے حوالے سے ایک بات تھی اگرچہ اسکے علاوہ اور بھی بہت سی یادیں ہیں۔

جہانتک حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا تعلق ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میرا بچپن سے ہی آپ سے ایک بہت قریبی تعلق تھا۔ مجھے یاد ہے کہ 1972 میں (یعنی) آپکے خلیفہ منتخب ہونے سے بہت پہلے کی بات ہے کہ ہم نے الگ الگ مری جانے کا پروگرام بنایا لیکن اتفاقاً مری میں ایک جگہ ہماری ملاقات ہوگئی۔ وہاں میں آپکے ساتھ ملکر ہائی کنگ اور کوہ پیمائی کرتا رہا۔ (سارا وقت) بہت بے تکلفی کے ماحول relaxed mood میں ہم نے گزارا۔ جب آپ خلیفہ بنے تو اسوقت میں غانا میں تھا۔ لہذا خلیفہ بننے کے بعد آپ سے پہلی ملاقات یہاں لنڈن میں 1985 میں ہوئی جبکہ میں غانا سے ربوہ جاتے ہوئے لنڈن میں دو دن کے لئے رکا تھا۔ گو کہ خلیفہ بننے سے پہلے میں آپ سے بہت free تھا لیکن اب ایک تبدیلی آچکی تھی۔ آپکی نئی شخصیت کے واسطے سے میرے انداز میں بھی ایک تبدیلی پیدا ہو چکی تھی۔

چنانچہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے یہاں لنڈن میں ملا اور مختلف امور پر گفتگو بھی ہوئی مگر اب وہ پہلے والی بات نہ تھی۔ بعد میں حضور نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم غانا واپس جانے کی بجائے ربوہ میں ہی رہو اور حضور نے وہاں (ربوہ میں) میری تقرری فرمادی۔ پھر حضور نے اپنے کچھ نجی کاموں کی ذمہ داریاں بھی مجھے سونپ دیں۔ میں حضور کے زرعی فارم اور سندھ، پنجاب اور دیگر جگہوں پر موجود زمینوں کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا۔ پھر حضور نے مجھ پر اسقدر اعتماد کیا کہ یہ سارے کام میرے سپرد کردئے۔ جب کبھی میں کوئی مشورہ دیتا تو حضور فوراً قبول فرمالیتے۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کچھ کہا یا کوئی تجویز دی اور اس معاملے میں کسی اور نے مجھ سے مختلف رائے دی ہو اور حضور نے میری بات اور میری تجویز کو منظور نہ فرمایا ہو۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا۔ یہ تو ذاتی امور کے متعلق بات تھی اسکے علاوہ حضور نے جماعتی معاملات میں بھی مجھ پر بہت اعتماد کیا۔ آپ نے مجھے ناظر اعلیٰ مقرر فرمایا جو پاکستان میں سب سے بڑا جماعتی عہدہ ہے۔ میں ناتجربہ کار تھا اور کم عمر بھی تھا اُس وقت حالانکہ مجھ سے زیادہ تجربہ کار لوگ موجود تھے، مجھ سے کہیں زیادہ قابلیت والے تھے، روحانی لحاظ سے بلند مرتبت کے لوگ موجود تھے، ذہنی صلاحیتوں میں بھی بڑھ کر تھے اور بھی بہت سے factors تھے مگر پتہ نہیں کیوں؟ (مجھے اس عہدہ پر مقرر فرمایا) شاید یہ تمام خدائی منشاء تھا؟ یا حضور کا مجھ پر اعتماد اور آپکی دعائیں تھیں؟ پاکستان میں انتظامی امور کے چلانے میں کافی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر میں ان مشکلات پر قابو پانے میں باآسانی کامیاب ہوگیا۔

طارق بی ٹی: پاکستان میں خدام الاحمدیہ میں بھی آپ کا رول رہا ہے آپ وہاں کون کون سی خدمات سرانجام دیتے رہے اور کون سا کام خاص طور پر آپکے لئے enjoyable تھا؟

حضور: مجھے خدام الاحمدیہ میں بھی کام کرنے کا موقع ملا بلکہ اطفال الاحمدیہ میں بھی بہت چھوٹی عمر سے سات سال کی عمر سے جبکہ اطفال کی عمر کو پہنچتے ہیں۔ سب سے پہلے تو میں ایک عام سادہ سا طفل تھا۔ پھر 9 یا 10 سال کی عمر میں مجھے سائق مقرر کردیا گیا۔ سائق گروپ لیڈر ہوتا ہے۔ اسکے بعد مجھے منتظم اطفال کا سیکریٹری بنادیا گیا اور پھر منتظم اطفال بنا اور زعیم کی مجلس عاملہ میں بطور منتظم شامل ہوا۔ پھر زعیم بنا۔ اسکے بعد قائد مقامی ربوہ کی مجلس عاملہ میں بطور ناظم عمومی شامل ہوا۔ جب میں فیصل آباد (ایگریکلچر یونیورسٹی) چلا گیا تو یونیورسٹی کے حلقہ کا زعیم منتخب ہوا مجھے یاد ہے کہ فیصل آباد شہر کے چالیس حلقے تھے ان میں یونیورسٹی کے حلقے کی چالیسویں پوزیشن ہوا کرتی تھی یعنی سب سے نچلی پوزیشن۔ یونیورسٹی کے حلقہ کی زعامت کا چارج لینے کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے پہلے تین مہینے کے بعد ہی ہم تیسری پوزیشین پر آگئے تھے۔ اسکی ایک وجہ وہ تجربہ تھا جو مجھے بچپن سے ہی (مجلس کے کاموں کا) ربوہ میں حاصل ہوا تھا۔ جب

میں (فیصل آباد) سے ربوہ واپس گیا تو مجھے مہتمم صحتِ جسمانی مقرر کردیا گیا اُس وقت خدام الاحمدیہ (پاکستان) کے صدر پوری دنیا کے (خدام کے) صدر ہوا کرتے تھے۔ اسکے بعد واقفِ زندگی کے طور پر غانا میں میری تقرری ہوگئی اور میں غانا چلا گیا۔ 1985 میں غانا سے واپس آیا تو اسوقت محمود بنگالی صاحب صدر خدام الاحمدیہ تھے۔ انہوں نے مجھے مہتمم تجنید مقرر کیا چند ماہ کے لئے پھر مہتمم صحتِ جسمانی اور پھر مہتمم بیرون (مقرر ہوا)۔ غالباً میں پہلا مہتمم بیرون تھا جسے پاکستان سے باہر کی مجالس کے دورہ پر بھجوایا گیا۔ مہتمم بیرون کے طور پر پہلی مجلس جسکا میں نے دورہ کیا یوکے کی مجلس تھی۔

طارق بی ٹی: یہ کس سال کی بات ہے؟

حضور: یہ 1988 کا واقعہ ہے۔ اسوقت صفی صاحب قائد خدام الاحمدیہ یوکے ہوا کرتے تھے۔ یہاں محمود ہال میں خدام الاحمدیہ کی میٹنگ ہوئی تھی۔ اس طرح میں پہلا مہتمم بیرون تھا جسے حضور کے نمائندہ کے طور پر جرمنی میں خدام الاحمدیہ کے اجتماع کے افتتاح کے لئے بھجوایا گیا تھا۔ یہ بھی 1988 کی بات ہے۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے سسٹم میں تبدیلی کی اور (بیرون پاکستان کی مجالس خدام الاحمدیہ کو) ربوہ کے مرکز کی بجائے انہیں انکی آزاد حیثیت میں براہِ راست اپنی نگرانی میں لے لیا۔

ٹومی: ان ابتدائی خدمات سے حاصل ہونے والے تجربات نے آپ کی بعد کی جماعتی ذمہ داریوں میں کیا مدد کی؟

حضور: یہی تو میں نے بتایا ہے کہ اگر آپ ابتدائی عمر سے ہی جماعتی کاموں کی تربیت حاصل کرلیتے ہیں تو آپ سیکھ جاتے ہیں کہ آپ نے اطاعت کیسے کرنی ہے اور کس طرح دوسروں کو (اپنی) اطاعت کرنے والا بنانا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ 1971 میں جب میں نے گریجویشن کرلی تو میں نے پاکستان آرمی میں شمولیت کے لئے درخواست بھیجی تھی۔ اگرچہ اسوقت بھی

زندگی وقف کرنا میری خواہش تھی لیکن چونکہ میرے نمبر اور گریڈ اتنے زیادہ اچھے نہ تھے اسلئے میں یہ سوچتا تھا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ چونکہ تم کچھ اور نہیں کر سکتے تھے اسلئے تم نے زندگی وقف کردی ہے۔ اسلئے میں نے فیصلہ کیا کہ پاکستان آرمی جوائن کرلوں اگرچہ میں آخری ٹیسٹ میں جو کہ کوہاٹ میں ہوا تھا آرمی کے لئے reject کردیا گیا۔ وہاں (آرمی جوائن کرنے کے لئے) بہت سے ٹیسٹ ہوا کرتے تھے۔ Preliminary test، میڈیکل ٹیسٹ، تحریری ٹیسٹ پھر اسکے بعد آخر میں ISSB کا فائنل ٹیسٹ ہوتا ہے یعنی Interservices Selection Board Exam۔ اس غرض سے آرمی میس کوہاٹ میں 3 سے 5 دن تک قیام کرنا ہوتا ہے جہاں بڑی گہرائی کے ساتھ آپکو جانچا جاتا ہے۔ آپکا IQ چیک کیا جاتا ہے مختلف tasks دئے جاتے ہیں۔ میں ان سب میں بہت اچھے طور پر کامیاب ہو گیا لیکن جب انکی طرف سے ایک practical task دیا گیا تو مجھے یاد ہے میجر رینک کا جو افسر ہمارے گروپ کے لئے مقرر کیا گیا تھا اُس نے مجھ سے پوچھا کہ اگر تم آرمی میں select ہو جاتے ہو تو کیا تم GHQ میں serve کرنا چاہو گے یا فیلڈ میں تو میں نے جواب دیا کہ میں اپنے وطن سے محبت کی خاطر آرمی جائن کرنا چاہتا ہوں اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہوں اور اپنے ملک کو ہر قسم کے دشمنوں سے بچانا چاہتا ہوں۔ میدان جنگ ہو یا کوئی اور میدان جہاں مجھے مقرر کیا جائے وہاں اپنے ملک کی خدمت کروں گا۔ انہوں نے ہمیں مختلف گروپس میں تقسیم کرکے ہر ایک کو مختلف tasks دیئے اسمیں مختلف کام کرنے ہوتے ہیں: جیسے پُل بنانا، پہاڑوں پر چڑھنا اور دشمن پر حملہ آور ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے tasks دیکر کارکردگی اور صلاحیت کو جانچا جاتا ہے۔ گروپ میں شامل ہر ایک فرد کو اسکی باری پر گروپ کو لیڈ کرنا ہوتا ہے۔ جب مجھے میری باری پر گروپ لیڈر بنایا گیا تو اُس میجر نے مجھ سے کہ جب تم کسی گروپ لیڈر کے تحت اپنا کام سر انجام دے رہے تھے تو اس موقع پر اپنا کام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے گروپ لیڈر کو مسلسل مشورے اور تجاویز دے رہے تھے اور جب تم گروپ لیڈر بنائے گئے تو اپنے ماتحت ساتھیوں کو احکامات دے رہے تھے اسنے کہا

میرا خیال ہے کہ تم آرمی کا خیال چھوڑ کر کوئی ایسا جاب تلاش کرلو جہاں تم دوسروں کو احکامات دے سکو۔

ابتدا سے جب آپ اطفال الاحمدیہ یا خدام الاحمدیہ میں کام کر رہے ہوتے ہیں تو آپ مسائل کا سامنا کرنا اور انہیں حل کرنا سیکھتے ہیں۔ دوسروں کی راہنمائی کرتے ہیں اور اچھی تجاویز دینا سیکھتے ہیں۔ تو یہ سب کچھ میں نے خدام الاحمدیہ میں سیکھا تھا۔

ندیم الرحمٰن: حضور آپکو احمدیت کی خاطر اسیر رہنے کی سعادت بھی حاصل ہے کیا آپ۔۔۔

حضور: (میرا خیال ہے کہ) اب نماز کا وقت ہوگیا ہے چونکہ یہ لمبی داستان ہے اسلئے باقی آئندہ (کے لئے چھوڑ دیں) میرا خیال ہے کہ کافی سوالات میں سے گزر چکے ہیں۔ جو سوالات پہلے ہی ہو چکے ہیں انکے علاوہ ابھی اور بھی باقی ہیں؟

صدر صاحب: جی حضور! ابھی صرف 30 فیصد کے قریب ہوئے ہیں۔

حضور: چلیں باقی بعد میں سہی۔

صدر صاحب: جی حضور انشاء اللہ

حضور: میرا خیال تھا کہ میں آپکو بہت مختصر جوابات دوں گا اور ہم ایک گھنٹے کے اندر اسے سمیٹ لیں گے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپکا پینل بہت professional ہے جس نے مجھے trap کرلیا ہے۔

سارا پینل: جزاک اللہ حضور

حضور: السلام علیکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضورانٹرویو ۲

۸ فروری ۲۰۰۸

صدر صاحب: حضور آپکو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ آپ احمدیت کی خاطر قید کئے گئے ۔کیا آپ ہمیں (اپنی اسیری کے) حالات و وجوہات کے متعلق آگاہ فرمائیں گے؟

حضور: (دراصل)معاملہ ہمارے شہر یا قصبے کے نام کی تبدیلی کا تھا۔ مولویوں کی ڈیمانڈ پر پنجاب اسمبلی میں ربوہ کے نام کی تبدیلی کا معاملہ زیر بحث آیا تھا۔انکا کہنا یہ تھا کہ ربوہ نام مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے کیونکہ یہ لفظ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ربوہ کا (لفظی) مطلب ہے اونچی جگہ۔ بہرحال وہ اس نام کی تبدیلی چاہتے تھے پہلے انہوں نے صدیق آباد نام تجویز کیا مگر بعد میں انہیں خیال آیا کہ اس نام میں بھی اسلامی رنگ پایا جاتا ہے۔آخر کار وہ چناب نگر کے نام پر متفق ہوئے۔ پنجاب اسمبلی نے یہ قرارداد پاس کی کہ ربوہ کا نام تبدیل کر کے چناب نگر رکھ دیا جائے اور کسی کو اسے ربوہ کہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔وہاں (ربوہ) کی شاہراہ پر سائن بورڈ لگے ہوئے تھے جن پر ربوہ لکھا ہوا تھا(ربوہ کی تختی لگی ہوئی تھی) ۔(مجھے علم نہیں)لیکن حکومت یا ٹاؤن کمیٹی کے اہلکاروں نے یا پولیس میں سے کسی نے ربوہ نام کے ان سائن بورڈز پر سفیدی پھیر دی تھی۔اس سائن بورڈ پر جو سفیدی پھیری گئی تھی اس سفیدی کو کسی شخص نے دھوڈالا۔ ان دنوں یہ معاملہ احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان خاصی کشیدگی کا باعث بن گیا تھا۔ پھر ایک اور معاملہ یہ بھی اٹھایا گیا کہ ربوہ کے بس سٹینڈ کے سامنے لکھی ہوئی کچھ قرآنی آیات تھیں ۔ مجھے اسوقت پوری طرح یاد نہیں کہ قرآنی آیات تھیں یا عربی زبان میں کچھ الفاظ تھے،(بہرحال) کسی شخص نے ، جسکا مجھے علم نہیں کہ کون تھا، اسپر یا تو پینٹ کردیا یا پینٹ پھینک دیا۔ایک شرارتی مولوی نے یہ آواز اٹھائی کہ مرزا مسرور احمد اور صدر عمومی کرنل ایاز صاحب اور دو دیگر افراد نے یہ کام کیا ہے۔ چنانچہ ہمارے خلاف ربوہ کے پولیس سٹیشن میں یہ مقدمہ درج کرادیا گیا۔وہ اس کیس میں دفعہ C-295 کے تحت کاروائی کرنا چاہتے تھے۔اس دفعہ کے تحت موت یعنی پھانسی کی سزا ہوسکتی تھی۔ اس بات کے پیش نظر ہماری ربوہ کی انتظامیہ یعنی صدر انجمن احمدیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی اجازت سے اس F . I . R کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کردی۔اسوقت میں عدالت کے سامنے پیش ہوا۔عدالت نے فیصلہ دیا کہ یہ کیس واپس سیشن کورٹ بھیج دیا جائے جہاں یا تو ضمانت منظور کی جائیگی یا آپکے کیس کی سماعت ہوگی۔(چنانچہ) پہلے یہ کیس جھنگ کی سیشن کورٹ میں اور پھر چنیوٹ منتقل کر دیا گیا جہاں ہماری چار یا پانچ دفعہ پیشی ہوئی۔ ہمارے حق میں بہت سی شہادتوں اور دلائل کے باوجود جج نے ہمیں مجرم قرار دیکر جیل بھجوانے کا فیصلہ دیدیا۔عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عدالت میں پولیس نہیں ہوتی مگر چونکہ پہلے سے یہ طے شدہ تھا اسلئے فیصلے سے پہلے ہی پولیس نے ہمیں گھیرا ہوا تھا۔ ہمیں پتہ تھا کہ کیا ہونے جارہا ہے۔ ہمارے دو ساتھی ماسٹر محمد حسین صاحب اور ایک لڑکا اکبر بھی ملزم قرار دئے گئے تھے چنانچہ پولیس انسپکٹر نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو ہتھکڑیاں لگادیں۔ میں نے یہ دیکھا تو میں نے اپنے ہاتھ بھی آگے کر دئے کہ ٹھیک ہے(پھر مجھے بھی ہتھکڑی لگاؤ) میں نے دیکھا کہ وہ(انسپکٹر) بہت گھبرایا ہوا اور شرمندہ تھا۔ کہنے لگا نہیں نہیں۔ ہمیں صرف ان دونوں کو ہتھکڑی لگانے کو کہا گیا ہے آپکو نہیں۔ہم ان دونوں کے ساتھ آپکو پولیس سٹیشن لے جائینگے۔وہ ہمیں پولیس سٹیشن لے گئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔مسجد اقصیٰ میں جمعہ پڑھانے والے(صاحب نے) ہمارے خلاف ہونے والے کیس کا ذکر کردیا اور یہ بھی کہ ہمیں گرفتار کرلیا گیا ہے۔ چنانچہ جمعہ کے بعد قریباً سارا ربوہ پولیس سٹیشن کے باہر جمع ہوگیا تھا۔ پولیس سٹیشن کے ہر طرف مرد،عورتیں اور بچے کھڑے نظر آتے تھے۔ہمیں ایک رات ربوہ کے پولیس سٹیشن میں رکھا گیا اور پھر اگلے دن جھنگ لیجایا گیا۔اصل کہانی یہاں سے شروع ہوتی ہے۔

ہمیں جھنگ جیل لے جایا گیا اور جیل اہلکار ہمیں بیرکس کی طرف لے گئے۔ جب ہم اندر گئے تو وہاں دیکھا کہ بہت سے لوگ تھے جو مختلف جرائم کی وجہ سے وہاں رکھے گئے تھے۔ ان میں سے کئی ایسے بھی تھے جو دفعہ 302 میں گرفتار ہوئے تھے یعنی قتل میں ملوث ہونے کی وجہ سے وہاں جیل

میں ڈالے گئے تھے۔ اسی طرح لشکر طیبہ والے بھی تھے۔ ہم اپنے حلیے اور چہروں سے ان سے مشابہت نہیں رکھتے تھے اور ان جیسے نہیں لگتے تھے۔ ہم نے پینٹ شرٹ اور واسکٹ کوٹ وغیرہ پہنے ہوئے تھے۔ اسلئے ہم انہیں بہت معزز دکھائی دیتے تھے۔ جب انہوں نے ہمیں اندر داخل ہوتے دیکھا تو انہوں نے خیال کیا کہ شاید حکومت یا انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ نے ہمیں ان سے تفتیش کرنے یا ان سے معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ بعد میں جب انہیں (قیدیوں کو) معلوم ہوا کہ ہم احمدی ہیں اور ہمارے (خلاف) کیس (کی تفصیلات) کا علم ہوا تو ان میں سے بعض نے ہمارے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا اور ان میں سے بعض جو کہ لشکر طیبہ سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ ان چار احمدیوں کے خلاف کیا کیا جائے۔

(جیل کی) جس بیرک میں ہمیں بھیجا گیا تھا وہ چالیس افراد کے لئے تھی لیکن اس میں 200 افراد رکھے گئے تھے وہاں بیٹھنے کے لئے بھی جگہ تلاش کرنا مشکل تھا۔ ایک شخص نے ہمیں اپنی دری پر بیٹھنے کی دعوت دی ۔ ہم کچھ دیر وہاں بیٹھے اور دوپہر کا کھانا وہاں کھایا۔ شام کو ہمیں احساس ہوگیا کہ ہمیں رات یہیں گزارنی ہوگی۔ وہاں سونا ویسے ہی محال تھا۔ ہم نے آپس میں سوچا اور صدر عمومی کرنل ایاز احمد خان صاحب نے کہا کہ مجھے جیلر سے بات کرنے دیں کہ ہم انکے ساتھ نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ ہم نے اندازہ کرلیا تھا کہ وہ لوگ منصوبہ بندی کر چکے ہیں کہ رات کو ہمیں نقصان پہنچائیں گے۔ وہ اس حد تک بھی جا سکتے تھے کہ ہمیں جان سے ہی مار دیں۔

پاکستانی جیلوں میں اگرچہ اسلحہ وغیرہ لیجانے کی اجازت نہیں ہوتی لیکن ہمیں وہاں جا کر معلوم ہوا کہ جیل کے اندر کس طرح چاقو بنائے جا سکتے ہیں۔ چمچ کے دستے کو رگڑ کر تیز دھار والے چاقو کی شکل دیدی جاتی ہے۔ شام چھ بجے کے قریب سپرنٹنڈنٹ جیل اسباب کو سمجھ گیا کہ اگر رات کو انہیں یہاں رکھا گیا تو ایک مسئلہ پیدا ہوسکتا ہے۔ انہوں نے یہ انتظام کیا کہ ہم اِسی بیرک میں رہیں لیکن دوسرے لوگوں کو وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ منتقل کردیا جائے۔ اس بات پر دوسرے لوگ ہم سے بہت ناراض

ہوئے۔ وہ جھنگ کے مضافات اور ضلع کی مختلف جگہوں سے تعلق رکھنے والے دیہاتی لوگ تھے۔ سب کے سب ان پڑھ اور جرائم پیشہ لوگ تھے۔ ہم نے چند گھنٹے ان جرائم پیشہ لوگوں میں گزارے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے تین قتل کئے ہوئے تھے۔ ایک نے اپنی بہن کو قتل کردیا تھا۔ بعض ان میں سے ڈکیتی اور دیگر جرائم میں ملوث تھے۔
ان لوگوں کے درمیان گزارا ہوا یہ وقت ایک خطرات سے پُر تجربہ تھا۔ اس دوران ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ کس طرح چاقو تیار کرتے ہیں اور کسطرح جیل میں لڑائیاں کرتے ہیں۔ ہم نے اخبارات میں ایک دفعہ یہ خبر پڑھی کہ جیل کے اندر دو گروپوں کے درمیان ہونے والی لڑائی میں دو پارٹیوں کے کئی افراد قتل کردئے گئے۔ اُسوقت یہ سمجھنا مشکل تھا کہ جیل کے اندر ایسا کرنا کس طرح ممکن ہے مگر اب وہاں جانے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ یہ کس طرح ہوتا ہے اور کس طرح وہاں تیز دھار چاقو تیار کئے جاتے ہیں۔
ہم نے ایک رات وہاں گزاری۔ اگلی صبح انہوں نے ہمیں وہاں پانی اور ٹائیلٹ کی سہولت فراہم کی جو کہ بہت صاف تھی۔ ویسی نہیں تھی جیسی آپ کو یہاں میسر ہے مگر اس سے بہر حال بہتر حالت میں تھی جیسی بالعموم جیل میں ہوتی ہیں۔ ہم نے کچھ راتیں وہاں گزاریں تقریباً دس دن ہم وہاں رہے۔ (جماعت کے) لوگوں کو اسبارہ میں تشویش اور فکر مندی تھی سات آٹھ دنوں کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ کیس لمبا چلے گا۔ یہ دفعہ کا کیس تھا۔ اگر اس دفعہ کو ہٹا بھی دیا جاتا تو کوئی اور دفعہ لگادی جاتی۔ (غیر احمدی) مولویوں کو پورا یقین تھا کہ اس دفعہ اس شخص کو یونہی نہیں جانے دیا جائے گا۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کو لکھ دیا کہ میرا خیال ہے کہ اس کیس کو کچھ وقت لگے گا۔ اس لئے مناسب ہے کہ کسی اور کو ناظر اعلیٰ مقرر کردیا جائے تا کہ وہ انجمن کے معاملات کو بغیر رکاوٹ کے چلاتا رہے۔ حضورؒ نے جواب بھجوایا کہ ناظر اعلیٰ آپ ہی رہینگے۔ یہاں میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جیل کے افسران نے ہمارے ساتھ فراخدلانہ برتاؤ روا رکھا اور اسباب کی اجازت دے دی کہ میں چیک سائن کرسکوں۔ دیگر ذمہ داریاں قائم مقام ناظر اعلیٰ جنکو میں نے مقرر کیا تھا ادا کرتے رہے۔ حضور کی طرف سے یہ جواب ملنے کے بعد میں سمجھ گیا کہ اب کیس لمبا نہیں چلے گا اور اسکا فیصلہ جلد ہوجائے گا۔ جیل کے کچھ ساتھیوں کی خوابوں کی میں نے یہ تعبیر کی کہ ہم جلد قید سے رہا کردئے جائیں گے۔ گیارہ دن کے بعد ہم میں سے دو کو رہا کردیا گیا۔ باقی دو کو بھی اگلے دن چھوڑ دیا گیا۔ کیس تیار کرنے والے مجسٹریٹ نے اسے اسطرح تیار کیا تھا کہ یہ کیس مضبوط ہو۔ آپکو تعجب ہوگا کہ وہ (مجسٹریٹ) میرا دوست تھا یا کم از کم میرا دوست ہونے کا اظہار کیا کرتا تھا۔ میں اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ اسے کیس کی سنگینی کا پوری طرح اندازہ نہ تھا۔ چنانچہ جب اس نے ہمیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھا تو اسنے ایک اور رپورٹ تیار کی کہ اسے کچھ اور شواہد اور اشارے ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ (ہم) لوگ مجرم نہیں ہیں۔ لیکن حکام مولویوں سے اسقدر خوفزدہ تھے کہ انہیں پتہ نہیں لگنے دیا کہ وہ اس کیس کو ختم کرنے جارہے ہیں اور انہوں نے ایسا کر بھی دیا۔ مولوی یہی سمجھتے رہے کہ ہمارے خلاف کیس چل رہا ہے۔
تو یہ ہے ان سارے واقعات کا مختصر تذکرہ۔ میرے جیل کے ایک ساتھی نے ان دس دنوں کی مکمل رپورٹ لکھی تھی کہ وہاں ہمارے شب وروز کسطرح گزرتے رہے۔ اسکی ایک کاپی یہاں بھی ہے جو پرائیویٹ سیکریٹری صاحب کو دی گئی تھی۔ یہ بھی ایک دلچسپ کہانی اور روداد ہے۔

صدر صاحب نے حضور سے دریافت کیا کہ قائم مقام (ناظر اعلیٰ) کون تھے؟
حضور نے فرمایا کہ مرزا خورشید احمد صاحب تھے۔

ندیم الرحمٰن: حضور اگلا سوال ہے کہ کیا آپ مجلس انصاراللہ میں اپنی ذمہ داریوں کے متعلق بتائیں گے؟

حضور: میں قائد وقفِ جدید رہا پھر قائد تعلیم القران۔ مگر آپ کا تعلق تو خدام الاحمدیہ سے ہے۔ آپ انصاراللہ کے متعلق کیوں دریافت کررہے ہیں؟

ٹومی: حضور افریقہ کی بات ہوجائے۔ کیا میں حضور سے آپکے افریقہ میں گزارے ہوئے دنوں کے متعلق پوچھ سکتا ہوں کہ آپ وہاں کن چیزوں

سے لطف اندوز ہوتے رہے اور یہ کہ آپ افریقن لوگوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟

حضور: میں نے وہاں اپنے قیام کو کافی enjoy کیا۔ جب میں وہاں گیا تھا اسوقت مجھے پتہ نہیں تھا کہ میں ایک ایسی جگہ جا رہا ہوں جہاں بجلی نہ گیس اور نہ ہی پانی۔ سکول کے پرنسپل مجھے کماسی سے اپنے ساتھ سالا گا لے گئے۔ جو غانا کے شمالی علاقہ میں ایک دور دراز قصبہ ہے۔ یہاں ہماری رہائش ایک بہت چھوٹے سے مکان میں تھی۔ دو کمرے تھے اور سامنے تین چار فٹ کا برآمدہ تھا۔ ان دو کمروں کے ساتھ ایک کچن اور ٹائلٹ باتھ تھا۔ وہاں ایک کمرے میں میں رہتا تھا اور ایک کمرے میں وہ اپنی فیملی کے ساتھ رہتے تھے۔ آپکو اندازہ ہوگا ایک احمدی کے لئے کتنی مشکل ہو سکتی ہے جہاں ساتھ ہی ایک فیملی بھی رہتی ہو۔ ٹائلٹ جانا ہو یا کسی اور جگہ جانا ہو اسکے لئے پہلے اعلان کرنا پڑتا تھا کہ میں باہر آ رہا ہوں یا فلاں جگہ جانا چاہتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ یعنی اپنی ہر حرکت کے بارے میں پہلے سے آگاہ کرنا پڑھتا تھا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔ میں چند ماہ انکے ساتھ وہاں قیام پذیر رہا۔ پھر میں الگ گھر میں رہا۔ میں ایک سال تک اپنی فیملی کے بغیر اکیلا رہا۔ سالا گا سے ستر میل کے فاصلے پر ایک بڑا شہر ٹمالے تھا۔ اُن دنوں ہم سکول کے لئے نئے بلاک کی تعمیر کر رہے تھے۔ ہم وہاں بلڈنگ کا مٹیریل خریدنے کے لئے جایا کرتے تھے اور گھر کی خریداری اور کھانے پینے کی چیزیں خریدنے کے لئے بھی وہاں جاتے تھے۔ ستر میل دور واقع ٹمالے جانے کے لئے ٹرانسپورٹ کی اچھی سہولت موجود نہیں تھی گورنمنٹ کی بس تھی جو ٹمالے جایا کرتی تھی۔ ایک صبح کے وقت اور دوسری شام کو جایا کرتی تھی۔ ہم اس سفر سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ پتہ نہیں ہوتا تھا کہ کب بس خراب ہو جائے گی۔ میں نے ٹمالے میں رہنے والے مبلغین سے چپاتی بنانا سیکھی تھی۔ صبح سویرے ناشتے کے لئے دو چپاتیاں میں بناتا تھا۔ عام طور پر میں بریڈ اور انڈے ناشتے میں لیتا تھا۔ دوپہر کا کھانا نہیں ہوتا تھا۔ سکول بند ہونے کے بعد کھانا تیار کرتا تھا۔ سارڈین مچھلی یا بکرے کے گوشت کے ساتھ چپاتیاں (ہوتی تھیں)۔ شروع کے ان دنوں میں میرا

5 2 پاؤنڈ وزن کم ہوگیا تھا ۔پھر کچھ دیر بعد ٹھیک ہوگیا تھا۔ اِس adventure کوبھی میں نے enjoy کیا۔

ان دنوں ایک اور ایڈونچر ہوا۔ جیسے میں نے ذکر کیا ہے کہ صرف ایک بس ہوا کرتی تھی جو ٹمالے اور سلاگا کے درمیان چلتی تھی بلکہ ٹمالے سے سولہ میل آگے تک جاتی تھی جہاں سڑک ختم ہوجاتی ہے،۔ یہاں سے وُلٹاریجن شروع ہوتا ہے۔ ایک دفعہ میں اور ہمارے مبلغ رزاق بٹ صاحب ٹمالے جارہے تھے۔ رزاق صاحب آتے رہتے تھے اور دو تین دن میرے ساتھ ٹھہرا کرتے تھے اور بچوں کو اسلامیات پڑھایا کرتے تھے۔ یہ بس جب lake سے روانہ ہوکر سالاگا پہنچتی تو اسمیں کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہیں ملتی تھی۔ اسلئے ہم ایسے کرتے تھے کہ جب بس سالاگا پہنچتی تھی تو ہم اسمیں سوار ہوکر 17 میل کے فاصلے (بس کے آخری سٹاپ) تک جایا کرتے تھے۔ وہاں سے بس میں بیٹھنے کی جگہ مل جاتی تھی کیونکہ وہاں بس خالی ہوجایا کرتی تھی۔ اسطرح ہمیں بس میں سیٹ حاصل کرنے کے لئے مجموعی طور پر 34 میل کا زائد سفر کرنا پڑتا تھا۔ ایک دفعہ یہ بس جہاں پرختم ہوا کرتی تھی وہاں جا کر خراب ہوگئی ۔ یہ شام کا وقت تھا۔ اسوقت میں بلڈنگ میٹیریل خریدنے کے لئے جارہا تھا۔ سکول کی عمارت کے لئے اسوقت سارے کام خود ہی کرنے پڑھتے تھے۔ بلڈر بھی ہم ہی تھے اور کنٹریکٹر بھی ہم خود تھے۔ رات کا اندھیرا ہونے والا تھا۔ میرے بریف کیس میں کافی بڑی رقم موجود تھی اسلئے ڈر تھا۔ اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ یہ خوف تھا کہ کہیں کوئی یہ بریف کیس چھین کر نہ بھاگ جائے۔ آٹھ، نو اور پھر رات کے دس بج گئے ،بس کی مرمت کا کام مکمل نہیں ہوا۔ آخرانہوں نے اعلان کردیا کہ انہوں نے ایک ٹرک ڈرائیور کے ذریعے جو کہ ٹمالے جارہا تھا وہاں پیغام بھجوایا ہے جلد ہی دوسری بس آجائیگی۔ یہ جلد ہی آٹھ گھنٹے طویل تھا۔ ساری رات ہمیں وہاں گزارنی پڑی۔ مجھے ایک بینچ نظر آیا جس پر میں بیٹھ گیا اور بریف کیس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا۔ اگر کوئی شخص بریف کیس چھیننے کی کوشش کرے تو جھٹکے کی وجہ سے میری آنکھ کھل جائے۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آدھی رات آپ سولیں اور آدھی رات میں (سولوں گا) تا کہ ہم بریف کیس کی حفاظت کرسکیں۔

اگلی صبح 4 بجے بس آ گئی۔ اسطرح ہم ٹمالے پہنچ گئے۔

ایک دفعہ یہ بس سفر کے دوران رستے میں خراب ہوگئی۔ ہمیں کوئی متبادل ذریعہ سفر نہ مل سکا تو ہم نے سامان سے لدے ہوئے ایک ٹرک پر بیٹھ کر 70 میل کا فاصلہ طے کیا۔ اسطرح کے کئی مواقع ملے جنہیں میں نے enjoy کیا۔

جب ہم وہاں زرعی فارم چلا رہے تھے تو میں کئی دنوں تک روزانہ اپنی رہائش کی جگہ سے فارم تک 35 میل کا فاصلہ ٹریکٹر پر طے کیا کرتا تھا۔ کبھی میں خود ٹریکٹر چلا کر جایا کرتا تھا اور کبھی ٹریکٹر کے مڈگارڈ پر بیٹھ کر جاتا تھا۔ جتنی دیر وہاں تک پہنچنے میں لگتی تھی اسوقت تک آدمی اتنا تھک چکا ہوتا کہ وہاں پہنچ کر کام کرنا مشکل ہوجاتا تھا۔ پھر میں نے رات وہاں (فارم) پر گزارنی شروع کردی۔ وہاں رہائش کے لئے کوئی مکان تو بنا ہوا نہیں تھا بلکہ ایک کمرہ بھی نہیں تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا ہم وہاں کے مقامی لوگوں کے ساتھ رات کو قیام کرتے تھے۔ جھونپڑی نما کمرے ہوا کرتے تھے (ٹومی کی طرف دیکھتے ہوئے) تمہیں تو پتہ ہی ہوگا۔ کیا تمہیں کبھی گاؤں میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے؟

ٹومی: جی حضور!

حضور: وہ اپنے گھر کے فرش پر دری بچھا دیتے ہیں اور اسی پر سویا جاتا ہے۔ مجھے نہیں پتہ کہ تمہیں (ٹومی) اس قسم کا تجربہ ہے یا نہیں مگر مجھے اسکا خوب تجربہ ہے۔

ٹومی: میں بھی فرش پر سویا ہوا ہوں اور ان سب تجربات سے گزرا ہوں۔

حضور: لیکن تم جس فرش پر سوئے ہوگے وہ سیمنٹ کا فرش ہوگا۔

ٹومی: جی حضور

حضور: میں نے تو کئی راتیں جنگل میں بھی گزاری ہیں۔ رات کو جب آنکھ کھلتی تو میں نظر دوڑا کر دیکھتا تھا کہ کہیں کوئی بچھو وغیرہ تو نہیں کیونکہ اس علاقہ میں بہت سانپ اور بچھو پائے جاتے تھے۔

ٹومی: حضور کیا آپ ہمیں افریقہ میں گندم کی کاشت کے اپنے کامیاب تجربہ کے متعلق بتائیں گے؟

حضور: زرعی ماہرین کی رائے تھی کہ وہاں (غانا میں) گندم نہیں اگائی جاسکتی۔ وہاں ہاماتان سیزن ہوتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہاماتان کے دوران درجہ حرارت گر جاتا ہے اور اسلئے گندم اگائی جاسکتی ہے۔ مگر وہاں پانی نہیں تھا۔ میں نے تجویز کیا کہ غانا میں وولٹا دریا بہتا ہے۔ ایک سفید وولٹا کہلاتا ہے اور دوسرے کو سرخ وولٹا کہتے ہیں۔ یہ دریا بُرکینا فاسو سے آتے ہیں اور غانا میں سے گزرتے ہیں۔ اس دریا کے سمندر میں گرنے سے پہلے ایک جگہ ایک ڈیم بھی بنا ہوا ہے۔ میری رائے یہ تھی کہ اگر ہمیں پانی مل جائے تو وہاں گندم کاشت کی جاسکتی ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ نائیجیریا میں جس جگہ پانی موجود ہے وہاں گندم کاشت کی جارہی ہے۔ خوش قسمتی سے ہمیں ایک پانی کا پمپ اور چھڑکاؤ کرنے والے آلات بھی میسر آ گئے۔ اگرچہ اسکے ذریعے صرف ایک مختصر سی جگہ کو پانی دیا جاسکتا تھا جسکا رقبہ دو ایکڑ کے قریب تھا۔ یہ کم از کم میرے تجربہ کے لئے کافی تھا۔ میں نے نائیجیریا میں اپنے ایک دوست کو گندم کے بیج بھجوانے کو کہا اور اسطرح گندم کی کاشت کا تجربہ شروع کردیا۔ گندم (اگانے) کا تجربہ کامیاب رہا۔ ہم فصل کو sprinklers کے ذریعے پانی دیا کرتے تھے۔ یہ پانی دریائے وولٹا سے آتا تھا اور اگرچہ میں نے اعداد و شمار کے ذریعے تو نہیں دیکھا کہ (صنعتی طور پر) آیا یہ کاشت کاری قابل عمل ہے کہ نہیں۔ مگر تجربے کی حد تک یہ ایک کامیابی تھی اور اب تک وہاب آدم صاحب امیر غانا نے کامیابی کے ساتھ وہاں کاشت کی جانے والی گندم کا نمونہ ایک شیشہ کے جام میں ڈالکر وہاں جماعت غانا کے exhibition hall میں رکھا ہوا ہے۔ یہ ابھی تک بہت اچھے طور پر محفوظ ہے۔ میں نے اس کام پر دو سال صرف کئے تھے مگر بعد میں آبپاشی کی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے اسے جاری نہیں رکھا جاسکا۔

طارق بی ٹی: حضور آپ کے دورِ خلافت کی طرف پھر آتے ہیں۔ میرا پہلا سوال تو یہ ہے کہ جب انتخاب (خلافت) ہوا تو آپ کے کیا تأثرات تھے۔یعنی انتخابِ خلافت کے وقت جب آپکے نام کا اعلان ہوا تو آپکی feelings کیا تھیں۔

حضور: جب میرے نام کا اعلان ہوا؟ میرا تأثر یہ تھا اور میں یہ دعا کر رہا تھا کہ کوئی حاضرین میں سے میرے لئے نہ کھڑا ہو۔ بلکہ پہلی دفعہ گنتی میں غلطی لگی تو میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ پہلی دفعہ جو ہاتھ کھڑے تھے یہی لگ رہا تھا کہ بہت تھوڑے سے ہاتھ ہیں۔ میں نے کہا شکر ہے، چند ایک ہی کھڑے ہوئے ہیں۔کوئی اور نامزد ہوجائے گا۔ دوسری دفعہ پھر دوبارہ ہاتھ کھڑے کروائے تو میں نے دیکھا تو کہا (کہ) ہیں تو کافی لیکن ابھی کافی ہاتھ کسی اور کے حق میں بھی کھڑے ہونگے۔ مگر جب انہوں نے فائنل announcement کی تو میں (یہ سن کر) کانپ اٹھا بلکہ میں نے کہا یہ کیا ہوا ہے؟ اس مجلس میں (قواعد کی رو سے اپنے آپ کو) excuse نہیں کر سکتے اور بھاگ (بھی) نہیں سکتے۔قواعد اجازت نہیں دیتے ورنہ میں اس کو چھوڑ دیتا۔

تأثرات سے (آپ کی) کیا مراد ہے کہ مجھے کیا امید تھی؟

طارق بی ٹی: نہیں نہیں۔حضور اس طرف تو نہیں مگر وہاں آپ کا نام اسطرح پہلے پیش ہوا پھر انتخاب۔۔۔

حضور: میرا نام تو جب صدر خدام الاحمدیہ کے لئے پیش ہوتا رہا۔ دو دفعہ پیش ہوا۔ میں تو وہاں بھی دعا کرتا رہا کہ نہ ہو۔

طارق بی ٹی: انتخاب (خلافت) سے پہلے کے چند دنوں میں آپکی کیا ترجیحات تھیں؟

حضور: ترجیحات یہ تھیں (کہ) ناظر اعلیٰ کی ساری انتظامی ذمہ داریاں تھیں۔ سارے امور چلانے کا بوجھ تھا۔(انجمن کے) ممبران کے ساتھ بار بار میٹینگیں ہوتی تھیں کہ کیا طریقہ کار اختیار کرنا ہے۔ کس طرح ہوگا؟ کیا ہوگا؟ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی تدفین کا معاملہ تھا۔ کہاں ہوگی؟ کیا کرنا ہے؟ اس کو (کہاں) رکھنا (ہے)؟ جنازہ کب ہوگا؟ انتخاب کب ہوگا؟ یہ سارے مسائل طے کرنے تھے۔ مجھے ان کی وفات کی اطلاع پاکستانی وقت کے مطابق دوپہر دو بجے ملی تھی اور خوش قسمتی سے ہمیں (ہوائی جہاز) میں اسی رات کی سیٹ مل گئی۔ میں اگلے دن مقامی وقت کے مطابق دوپہر دو بجے یہاں (لنڈن) پہنچ گیا تھا۔

ٹومی: حضور خلیفہ منتخب ہونے کے بعد آپکی زندگی میں کیا تبدیلی آئی؟

حضور: میری زندگی کا معمول بالکل مختلف ہوا کرتا تھا۔ میں عملی قسم کا ایک ایسا آدمی تھا جس کے لئے آفس میں مسلسل دو گھنٹے بیٹھنا بھی مشکل تھا۔ تقریباً ہر دو گھنٹے بعد دفتر کی کرسی سے اٹھ کر راؤنڈ لگایا کرتا تھا اور مختلف دفاتر کو visit کیا کرتا تھا۔ تب آکر اپنی کرسی پر بیٹھا کرتا تھا۔ ناظر اعلیٰ کی ذمہ داری ملنے کے بعد بھی یہی دستور تھا۔ یہ ایک انتظامی عہدہ تھا۔ دفتر میں چھ سات گھنٹے گزارنے کے بعد میں اپنے زرعی فارم پر چلا جایا کرتا تھا اور ایسے کام کیا کرتا تھا جس میں ذہنی بوجھ نہ ہو بلکہ اپنے ہاتھ سے مشقت والا کام کیا کرتا تھا۔ بہرحال کہا جاسکتا ہے کہ (خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد) میرے معمولات میں U-turn آ گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب کیسے ہوگیا؟ یہ خدا ہی تھا جو تمام کاموں کا کرنے والا تھا۔ پہلی ہی رات میں میرے اندر ایک مکمل تبدیلی واقع ہوگئی تھی۔ میں صبح سے شام تک اور پھر رات گئے تک دفتر میں بیٹھ کر کام کرتا رہا۔ مجھے تقریر کرنے کا بالکل تجربہ نہیں تھا مگر خدا نے راہنمائی کی۔

ندیم الرحمٰن: جزاک اللہ حضور! حضور صبح سے شام تک بالعموم آپکی مصروفیات کیا ہوتی ہیں؟

حضور: میں تمہیں اپنے جاگنے کا صحیح وقت تو نہیں بتا سکتا لیکن میں بہت صبح

اٹھتا ہوں۔نوافل ادا کرنے کے بعد قرآن کریم کے چند رکوع کی تلاوت کرتا ہوں۔اسکے بعد فجر کی نماز کی تیاری کرتا ہوں۔(آجکل) جو میرا معمول ہے اسکے متعلق بتا سکتا ہوں کہ نمازِ فجر کے بعد سیر کے لئے جاتا ہوں۔سیر سے واپس آ کر نہاتا ہوں۔پھر ناشتہ کرتا ہوں۔اسکے بعد پھر تلاوت کرتا ہوں اور آیات (قرانی) پر غور و فکر کرتا ہوں۔اسکے بعد چند منٹ قیلولے کے بعد اپنے دفتر میں آجاتا ہوں جہاں میرے کاموں کا آغاز ہوتا ہے۔دن کے دوران مختلف دفتری امور کے علاوہ جماعتی عہدہ داروں کے ساتھ میٹنگیں اور دفتری ملاقاتیں ہوتی ہیں۔پھر نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد میں دوپہر کا کھانا کھاتا ہوں۔اسکے بعد چند منٹ آرام کرتا ہوں۔میں اسے نیند ہی شمار کرتا ہوں کیونکہ اس دوران 25 سے تیس منٹ تک سوتا ہوں۔اسکے بعد میں دوبارہ اپنے آفس میں آجاتا ہوں۔آج (اس وقت) آپ لوگ میرے سامنے موجود ہیں۔پھر مغرب کی نماز سے ذرا پہلے میں چائے کا ایک کپ پینے کے لئے اوپر گھر جاتا ہوں۔اسکے فوراً بعد مغرب کی نماز ادا کر کے اپنے دفتر میں واپس آکر سنتیں ادا کرتا ہوں ۔جسکے بعد دنیا بھر کے مختلف ممالک سے آنے والی ڈاک دیکھتا ہوں۔ اسمیں مختلف ممالک کے امراء کی طرف سے ڈاک ہوتی ہے۔صدر انجمن احمدیہ پاکستان، تحریک جدید اور قادیان وغیرہ سے آنے والی ڈاک ہوتی ہے۔اگر یہ ڈاک بہت زیادہ نہ ہو تو میں اس کام کو ایک گھنٹہ میں نمٹا لیتا ہوں اور متعلقہ شعبوں کو انکے متعلق ہدایات دیتا ہوں۔پھر عام ملاقاتوں کا سلسلہ ایک گھنٹہ جاری رہتا ہے جسکے بعد رات کا کھانا کھاتا ہوں۔اسکے بعد عشاء کی نماز ادا کرتا ہوں۔اگر اوپر ہمارے گھر میں کوئی ملنے والا ہو تو کچھ منٹ انکے ساتھ بیٹھنے کے بعد واپس اپنے دفتر میں آجاتا ہوں اور دوبارہ ڈاک دیکھتا ہوں۔جن میں خطوط، فیکس، اور e-mails شامل ہیں جو جماعتی عہدہ داران اور افرادِ جماعت کی طرف سے ہوتی ہیں۔یہ سلسلہ رات گیارہ بجے تک جاری رہتا ہے اسکے بعد اخبار۔رسالے، یا کسی اور کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں جسکے بعد سونے کے لئے چلا جاتا ہوں اور چند گھنٹے سوتا ہوں۔

ٹومی: اور پھر آپ دوبارہ اُٹھ جاتے ہیں۔

حضور: ہاں علی الصبح پھر وہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

ٹومی: جزاک اللہ! حضور آپ کچھ اپنے جماعتی دورہ جات کے متعلق (بتانا پسند فرمائینگے)۔آپکی پسندیدہ جگہ (ملک) کونسا ہے اور یہ کہ کیوں؟

حضور: میرا خیال ہے کہ مجھے یہ سوچنے کا وقت ہی نہیں ملا کہ میری پسندیدہ جگہ (ملک) کونسی ہے۔جہاں بھی جاتا ہوں احمدی احباب کے درمیان ہوتا ہوں اور وہی میری پسندیدہ جگہ ہوتی ہے۔مگر مجھے افریقہ پسند ہے خاص طور پر غانا جہاں میں کچھ عرصہ رہا بھی ہوں۔میری ابتدائی اور عملی زندگی کا آغاز غانا ہی سے ہوا تھا۔غانا پسند آنے کی دیگر وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے۔مجھے سیرالیون جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔کیا تمہارا تعلق سیرالیون سے ہے؟

ٹومی: جی حضور میرا تعلق سیرالیون سے ہے۔

حضور: مجھے اب تک جن افریقن ملکوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے ان میں سے میں غانا کو دیگر ملکوں کی نسبت زیادہ civilised خیال کرتا ہوں۔ اگلے سال جب میں سیرالیون جاؤنگا تو پھر بتا سکونگا کہ سیرالیون کیسا ہے۔

ٹومی: انشاءاللہ! اور حضور وہاں آپکا ایک زبردست استقبال ہوگا۔

حضور: استقبال کی بات نہیں بلکہ وہاں کے لوگ اور انکا رویہ (اصل چیز ہے جو پیش نظر ہے)

ٹومی: آپ نے قادیان سے واپس آنے کے بعد فرمایا تھا کہ اپنے تأثرات کو بیان کرنا مشکل ہے۔کوئی ایسا واقعہ ہے جسکی یاد اب بھی تازہ ہو؟

حضور: جب ہم بہشتی مقبرہ گئے۔خاص طور پر وہ احاطہ جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مزار ہے، اسوقت کے جذبات کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ جذبات ابل رہے ہوتے ہیں۔جب آپ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو

اسوقت اپنے پر قابو نہیں رہتا اور پھر جب آپ ان گلی کوچوں کو دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ انہیں گلیوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک قدم پڑے تھے۔ میرا خیال ہے کہ قادیان میں ہر ایک فرد کے ایسے ہی جذبات اور احساسات ہوتے ہیں۔(اسی طرح) مکہ اور مدینہ جانے والوں کے جذبات اور احساسات اس سے بھی بڑھ کر ہونگے ۔

طارق بی ٹی: حضور افریقہ کا ذکر تو ہو چکا ہے۔ آپ کو یو کے میں پانچ سال ہو گئے ہیں۔ یو کے سے تعلق رکھنے والا کوئی خاص پہلو یا خاص بات جو حضور کو پسند ہو۔

حضور: میرا خیال ہے کہ آپ غانا اور یو کے کے درمیان موازنے کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ سوال دوبارہ کریں۔

طارق بی ٹی: یو کے کے بارے میں یہاں کی کوئی ایسی خوبی یا خاص چیز جو حضور کو پسند ہو۔

حضور: آپکا سوال یو کے جماعت کے بارہ میں ہے یا بطور ملک انگلستان مراد ہے آپکی؟

طارق بی ٹی: دونوں ہی حضور، بالخصوص ملک انگلستان، یہاں کے لوگ اور یہاں کا ماحول، آب و ہوا وغیرہ۔

حضور: جہاں تک انگلستان کے لوگوں کا تعلق ہے، وہ لوگ جن سے مجھے واسطہ پڑا ہے، جن سے میں ملا ہوں وہ جماعت کے لئے بہت احترام کے جذبات اور تاثرات رکھتے ہیں۔ میں جب باہر سیر کے لئے نکلتا ہوں تو کچھ بڑی عمر کے برٹش لوگ گڈ مارننگ کہتے ہیں اور دوستانہ جذبات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جہانتک ملک کا تعلق ہے مجھے لیک ڈسٹرکٹ (Lake District) کا علاقہ اور سکاٹ لینڈ اچھا لگا ہے۔

ندیم الرحمٰن: حضور ہمارے نوجوانوں کے لئے کن شعبوں کی طرف نکلنا زیادہ مناسب ہوگا؟

حضور: میرا خیال ہے میں پہلے ہی نوجوانوں کے ساتھ اسکے متعلق بات کر چکا ہوں۔ میں نے نوجوانوں کو ریسرچ کے میدان میں جانے کا کہا ہے کیونکہ یہاں اس ملک میں بالخصوص، اور مغربی ملکوں میں (بھی) ریسرچ کی فیلڈ کا مستقبل روشن ہے۔ ایشیائی اور افریقن لوگوں کو اپنے آپ کو ریسرچ سے وابستہ کرنا چاہئے ۔ بالخصوص سائنس، میڈیکل اور کمپیوٹر سائنس کے مضامین میں۔ چند سال قبل شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں ذکر تھا کہ برطانیہ کے مقامی لوگ ریسرچ کے میدان میں جانے میں زیادہ دلچسپی کا اظہار نہیں کر رہے۔ مغربی ملکوں کے مقابل پر اس ملک کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ ریسرچ کے میدان میں ترقی کرتے رہیں۔ اسی طرح ایشیائی لوگوں کی بقا بھی اسی میں ہے کہ وہ مقامی لوگوں کی ضرورت بن جائیں کیونکہ اگر انہیں آپ کی ضرورت نہ ہو تو جہاں تک میں نے محسوس کیا ہے انکے دلوں میں آپکے لئے نفرت کے مخفی جذبات پائے جاتے ہیں۔ اگر آپ تعلیم یافتہ نہیں اور انکے لئے کارآمد نہیں ہیں تو یہ آپکو پسند نہیں کرینگے۔ خاص طور پر پچھلے چند میں سال رونما ہونے والے واقعات کی وجہ سے بھی یہ لوگ پہلے کی نسبت زیادہ حساس ہو گئے ہیں۔ اسلئے اب خاص طور پر مسلمانوں کو خود کو ریسرچ سے منسلک ہونا چاہئے۔

طارق بی ٹی: جماعت کو جن مسائل اور چیلنجز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اُن میں سے سب سے بڑا اور کلیدی چیلنج کونسا ہے جو اسوقت جماعت کو درپیش ہے؟

حضور: حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ انسان کا تعلق خدا تعالیٰ سے جوڑا جائے اور وہ خدا کے قریب آ جائے۔ آجکل بھی یہی سب سے بڑا چیلنج ہے بلکہ جب جماعت کی بنیاد رکھی گئی تھی اسوقت بھی یہی سب سے بڑا چیلنج تھا اور قیامت تک یہی سب سے بڑا چیلنج رہے گا۔ اس مقصد کے لئے ہمیں اپنی روحانی ترقی کی طرف توجہ کرتے ہوئے قربِ الٰہی کے حصول کی جدوجہد کرنی ہوگی۔ اسکے لئے قرآن کریم کا مطالعہ کریں اور

قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے مطالعہ اور آپکی عطا کردہ راہنمائی کے ذریعے اپنے روحانی معیار کو بلند کریں اور اپنے ذہنوں کو روشن کریں، اپنی ذہنی استعدادوں کو صیقل کریں۔اپنے آپ کو اسلام کی حقیقی تعلیم سے منور کریں۔اور اپنے عہد بیعت پر مضبوطی سے قائم رہیں۔اور خلفاء کی طرف سے دی جانے والی ہدایات پر عمل پیرا ہوں اور آئندہ بھی خلفاء جو نصائح کریں (ان پر مضبوطی سے کاربند ہوں)

ندیم الرحمٰن: حضور! ایسے ممبران جنکے پاس جماعتی کاموں کے لئے وقت نہیں ہوتا انہیں کسطرح مؤثر بنایا جا سکتا ہے؟

حضور: مختصراً یہ کہ انہیں فعال کیسے کیا جا سکتا ہے؟

ندیم الرحمٰن: جی حضور۔

حضور: سب سے پہلے تو انہیں یہ احساس دلانا اور بتانا ہوگا کہ آپ کون ہیں۔ جب انہیں یہ احساس ہوجائے گا کہ وہ احمدی ہیں اور یہ کہ احمدی ہونے کا مقصد کیا ہے۔انہیں سختی کے ساتھ ہانکنا یا ان پر صرف حکم چلانا اور صرف ہدایات دینا یا انکے خلاف ایکشن لینے سے انہیں فعال نہیں بنایا جا سکتا۔انکے ہمدرد اور دوست بنیں جیسا کہ میں پہلے بھی کئی مواقع پر یہ بات آپ سے کہہ چکا ہوں کہ خدام الاحمدیہ میں ایک ایسی ٹیم ہونی چاہئے جو اپنے اعتقاد اور ایمان میں راسخ ہو اور کوئی بات اور (الٹی سیدھی) دلیل انکے ایمان اور اعتقاد کو متزلزل نہ کرسکے۔ کوئی بحث اور کوئی دلیل جو احمدیت، اسلام، مذہب یا خدا کے خلاف ہو انہیں متزلزل نہ کرسکے۔اور نہ ہی وہ (خشک) ملاں قسم کے لوگ ہوں تاکہ وہ ایسے افراد کے دوست بن سکیں اور انہیں اپنے قریب کرسکیں۔ یہ ایک طویل مدتی طریقہ ہے اور ایک مسلسل جدوجہد کا طریق ہے اور روزِ آخر تک مسلسل عمل کا یہ طریق رہے گا۔ کیونکہ قرآن مجید کہتا ہے ' ذَکِّر ' یعنی لوگوں کو مسلسل نصیحت اور یاد دہانی کراتے رہو اور انہیں مسلسل خدا تعالیٰ کی طرف بلاتے رہو۔اور اچھے کاموں کی طرف بلاتے رہو۔جب تک دنیا موجود ہے، جب تک قرآن کریم کی تعلیمات زندہ ہیں اسوقت تک یہ ہدایت اور یہ طریق بھی جاری رہے گا۔ اسلئے آپکا یہ کہنا اور آپکا یہ دعویٰ درست نہیں ہوسکتا کہ آپ سو فیصد افراد جماعت کو تبدیل کر سکتے ہیں اور تمام لوگ فعال ممبر بن جائینگے۔ نہیں بالکل نہیں۔مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور ہر ایک سے اسکی نیچر اور ضرورت کے مطابق ڈیل کرنا چاہئے۔

ندیم الرحمٰن: جزاک اللہ۔حضور ایسے افراد جماعت جو یہ سمجھتے ہیں کہ انکے ساتھ برا سلوک کیا گیا ہے یعنی (دوسرے) افرادِ جماعت نے انکے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔

حضور: یعنی بالخصوص عہدیداران (کے ذریعے) جہاں تک (عام) افراد جماعت کا تعلق ہے تو (انکے برے سلوک کو) لوگ برداشت کرلیتے ہیں اور اسکو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ البتہ اگر عہدیداران کی طرف سے زیادتی ہو تو (لوگ) زیادہ برا مان جاتے ہیں
اور بالآخر وہ جماعت سے ہی لاتعلقی اختیار کرلیتے ہیں۔اسلئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ جماعتی عہدیدار مثالی ہونے چاہئیں۔ انہیں اس قابل ہونا چاہیئے کہ وہ لوگوں کے رویے کو تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ وہ نیک اور متقی ہونے چاہئیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ
’ہر صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔‘
آپکو ایسا طرزِ عمل اپنانا چاہیئے۔

ٹومی: حضور وہ بنیادی طریق اور راز کیا ہے جسکو بروئے کار لاتے ہوئے ہم جماعتی کاموں، فیملی لائف، اپنے پروفیشن، اور اپنی روحانی ترقی کی کوششوں کے درمیان صحیح توازن قائم کرسکیں؟

حضور: میرے خیال میں آپکو سوچنا چاہیے کہ دن میں 24 گھنٹے ہوتے ہیں۔ اپنے دن کو ان ذمہ داریوں کے لحاظ سے تقسیم کرلیں۔ آپکو اپنے بچوں کی ضروریات کا خیال رکھنا ہوگا، انکو وقت دینا ہوگا۔ یہ بہت کام کرنے

کا وقت ہے۔کبھی بچوں اور فیملی کی طرف جماعتی زیادہ توجہ درکار ہوگی تو کبھی جماعتی کام کی طرف۔شام کو بالعموم فیملی اور جماعتی کاموں کے لئے وقت نکالا کریں۔آٹھ بجے شام تک آپ کے بچے ہوم ورک اور کھانے سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں اور آپکی بیوی بھی فارغ ہو چکی ہوتی ہیں اسوقت آپ ان کے ساتھ کچھ وقت گزار سکتے ہیں۔آپ اپنے آفس سے کب فارغ ہوتے ہیں؟

ٹومی: بالعموم 6 بجے چھٹی کے بعد میں 7 بجے تک گھر پہنچ جاتا ہوں۔

حضور: اسکا مطلب ہے کہ گھر پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگتا ہے؟

ٹومی: جی گھر پہنچنے تک ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے۔

حضور: کیا آپ خدام الاحمدیہ کو ہر روز ایک گھنٹہ دے پاتے ہیں؟

ٹومی: ایک گھنٹے سے زیادہ کیونکہ مختلف نوعیت کے جماعت کے اور بھی کام ہوتے ہیں۔

حضور: آپ دوبارہ وقت دے سکتے ہیں۔سات بجے تو گھر پہنچے۔اسکے بعد پھر کیا کرتے ہیں؟

ٹومی: رات کو کھانے کے بعد کچھ وقت بچوں کے ساتھ گزارتا ہوں۔

حضور: جماعتی کاموں کو وقت کب دیتے ہیں؟

ٹومی: میرے بچے چھوٹی عمر کے ہیں وہ آٹھ بجے سو جاتے ہیں اسکے بعد میں فارغ ہوتا ہوں۔

حضور: تب تو اچھا ہے آپ کے لئے۔بالخصوص مغربی ملکوں میں آپکو اپنے بچوں کی تربیت کا زیادہ خیال کرنا پڑتا ہے اور زیادہ وقت دینا پڑتا ہے۔ جب وہ بڑے ہو رہے ہوں تو بچوں کے مسائل بھی سر اٹھانے لگتے ہیں۔وہ جب بارہ، تیرہ سال کے ہوتے ہیں یعنی teenager ہوتے ہیں تو مناسب یہی ہے کہ آپ انکے ساتھ دوستانہ تعلق رکھیں تا کہ وہ آپکے کنٹرول میں رہیں اور اپنے مسائل آپکے ساتھ discuss کر سکیں۔میرا خیال ہے کہ اگر آپ جماعتی کاموں کو دو گھنٹے دے دیں تو یہ کافی ہے۔

ٹومی: حضور اتنا وقت تو کافی نہیں!

حضور: ہر شخص کیلئے یہ عام بات نہیں۔بعض لوگ جماعتی کاموں کے اتنے عادی ہوتے ہیں کہ انکی خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت جماعتی کاموں میں صرف کریں۔یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ٹھیک ہے کہ اسطرح کے لوگ بھی ہونے چاہئیں مگر آپ کے بیوی بچوں کا بھی آپ پر حق ہے۔

طارق بی ٹی: حضور اب اگلے حصہ کا تعلق عمومی طور پر عالمی امور سے ہے۔ اس سلسلے میں پہلا سوال یہ ہے کہ آجکل کے دور میں اگر دنیا پر نظر دوڑائی جائے تو کیا موجودہ سیاسی راہنماؤں یا ماضی کے سیاسی راہنماؤں میں سے ایسے کون لوگ تھے جو آپ کی رائے میں اپنی ذات مین اچھے راہنما تھے۔

حضور: دنیا کے مسائل مختلف قسم کے ہیں۔غیر ترقی یافتہ ممالک اپنے معاشی مسائل سے دوچار ہیں اسکی ایک وجہ انکے اپنے لوگوں کی کرپشن ہے نیز بڑی طاقتوں کی exploitation ہے۔(یہ صورتحال تبدیل نہیں ہو سکتی) جب تک کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے بتایا ہوا ہے کہ اگر آپ خود کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے تو کوئی دوسرا (آپکے حالات) بدل نہیں سکتا۔(ان مسائل کی) ایک اور وجہ تیسری دنیا یا غیر ترقی یافتہ ملکوں کی لیڈرشپ بھی ہے۔اب تک موجودہ جمہوری نظام والے ممالک میں صرف انڈیا ہی ہے جسکے لیڈر تیسری دنیا کے ممالک سے بہتر دکھائی دیتے ہیں۔بدقسمتی سے افریقن ملکوں میں سے اب تک کوئی ایسی شخصیت مجھے دکھائی نہیں دی جو

اپنے ملک کے ساتھ سنجیدہ اور مخلص ہو سوائے ان کے جنہوں نے اپنے اپنے ملکوں کی آزادی کے لئے بڑی محنت اور جدوجہد کی ہے جیسا کہ غانا میں کوامے نکرومہ کی اپنے وطن کے لئے اخلاص اور وفا واضح طور پر نظر آتی ہے وگرنہ باقی سارے نام نہاد محبّ وطن کہلاتے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ سیرا لیون کا لیڈر کون تھا۔ دراصل یہ کوامے نکرومہ ہی تھے جنہوں نے سارے افریقہ کی آزادی کی بنیاد رکھی۔

مغربی دنیا میں بھی اچھے لیڈر رہوئے ہیں تاہم (جارج) بُش ان میں سے نہیں ہیں۔ اگر مسلمان ملکوں کے لیڈر اپنے (ملک) اور اپنے عوام سے مخلص ہوں اور مذہب (اسلام) کی حقیقی تعلیم پر عمل پیرا ہوں یا کم از کم قرآنی ہدایات کی پیروی کریں تو ان مسلمان اقوام میں باہمی کشیدگی اور دشمنی نہ ہو۔ قران کی ہدایت ہے کہ جب کبھی کوئی (مسلمان) ملک یا اسکی حکومت کسی دوسرے (مسلمان) ملک کے خلاف جارحیت کی مرتکب ہو تو باقی سب ملکر جارحیت کرنے والے ملک کے خلاف کاروائی کریں یہاں تک کہ انکے باہمی معاملات طے پا جائیں۔ اور جب صلح ہو جائے اور آپس میں معاملات طے پا جائیں تو اسکے بعد پھر آپس میں کوئی دشمنی یا کینہ نہ رکھیں۔ اسکے بعد اس ملک کے بہتر بننے اور اسکی ترقی میں مدد کرنی چاہئے۔ یہ ایک طویل سوال ہے اور اسکا جواب بھی طویل ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ سوال فی ذاتہ طویل نہیں بلکہ اسکا جواب طوالت طلب ہے۔ بہر حال لیڈر شپ کو جانچنے کے بہت سے پہلو ہیں مگر مختصراً یہ کہ جو کوئی بھی اپنے ملک کے ساتھ مخلص ہو میرے نزدیک وہی شخص ایک اچھا لیڈر رہے۔

آپ سب کو علم ہے کہ مغربی طاقتوں کے دوہرے معیار ہیں۔ ایک معیار اپنے لئے اور دوسرا غیروں کے لئے۔ ایک معیار غریب قوموں کے لئے ہے اور دوسرا امیر قوموں کے لئے۔ اگر وہ دنیا کے سب ملکوں سے ایک جیسا سلوک (یعنی برابر کا سلوک) کرنے لگ جائیں اور دنیا میں قیامِ امن کے لئے یہ سنجیدہ ہوں تو۔۔۔ آپ نے ان مغربی طاقتوں کا افریقن مما لک کے ساتھ یا بہت سے ایشیائی ملکوں کے ساتھ یا مشرقی یورپ کے مسلمان ملکوں کے ساتھ، بوسنیا اور سربیا کے معاملے کو ہی دیکھ لیں، مختلف سلوک

دیکھ لیا ہے۔اسطرح تو امن قائم نہیں کیا جاسکتا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ (مغربی طاقتیں قیام امن کے لئے) مخلص اور سنجیدہ نہیں ہیں۔

ٹومی: جزاک اللہ حضور! حضور مغربی ممالک میں رہتے ہوئے بعض اوقات خیال کیا جاتا ہے کہ مذہب دنیاوی ترقی اور کیریئر کے راستے میں رکاوٹ ہے۔

حضور: آپ قران پڑھتے ہیں۔ یہ کتاب آپ کو ماڈرن سائنس، کائنات، ٹیکنالوجی بلکہ ہر چیز کے بارے میں بتاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام وضاحت فرما چکے ہیں کہ یہ بات درست نہیں کہ مذہب سائنس کا مخالف ہے۔کیا آپکا سوال یہی تھا؟ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ (ٹومی نے اپنا سوال دوبارہ کیا تو حضور فرماتے ہیں) کونسی رکاوٹ ہے جو مذہب نے آپکے سامنے رکھی ہوئی ہے؟

ٹومی: ذاتی طور پر میرے لئے تو ایسا نہیں ہے۔

حضور: یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔اگر آپ ایک وکیل ہیں تو مذہب یہ نہیں کہتا کہ آپ وکیل نہیں بن سکتے۔اگر کوئی ڈاکٹر ہے تو مذہب یہ نہیں کہتا کہ آپ ڈاکٹر یا انجنیئر نہیں بن سکتے۔مذہب راہنمائی کر رہا ہے اور قرآن بھی جدید علوم (ماڈرن سائنسز) کی جانب راہنمائی کر رہا ہے۔کیسے ممکن ہے کہ یہ اسکا رستہ روکے یا ایسے دنیاوی امور میں رکاوٹ ڈالے۔ یہی پوچھنا چاہتے ہیں آپ؟

ٹومی: جی حضور

حضور: 1908 میں جان کلیمنٹ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کی ۔وہ نیوزی لینڈ کے ایک ماہر فلکیات تھے۔ انہوں نے ہی امریکہ میں آنے والے تمام hurricanes کو نام دئے تھے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملے تو انہوں نے بھی یہی سوال کیا تھا کہ سائنس کے بارہ میں اسلام کیا کہتا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جواب دیا کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ جدید علوم (ماڈرن سائنسز) اور جدید ٹیکنالوجی کو explore کیا جائے۔ اس میں کوئی روک نہیں۔ مذہب تو جدید سائنسی علوم کے حصول میں مانع نہیں ہے بلکہ وہ تو کہتا ہے کہ دونوں ایک ساتھ کارفرما ہیں۔ اسی لئے ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے سائنسی تجربات قرآنی آیات (کی اسی راہنمائی) پر مبنی تھے۔ ہاں البتہ مذہب ضرور روکتا ہے۔مثلاً اگر دنیا کہے کہ طوائف کے پاس جاؤ یا اور برے کام کرو۔اسکور کاوٹ تو نہیں کہتے یہ تو اخلاقی تعلیم ہے۔وہ کہتے ہیں کہ مذہب کو شراب نوشی سے منع نہیں کرنا چاہیے یا کسی ایسی چیز سے جو آپ کو نشے کا عادی بنانے والی ہو۔ہاں ایسی باتوں سے مذہب روکتا ہے۔

ندیم الرحمٰن: دنیا کے لوگوں اور انکی لیڈرشپ کے لئے آپکی کیا نصیحت اور پیغام ہے؟

حضور: میں کئی دفعہ یہ نصیحت کر چکا ہوں کہ انہیں خدا کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ۔ جب تک وہ اس بات کو نہیں سمجھتے اور اسکا احساس نہیں کرتے کہ انہیں اپنے خالق کی ہدایات اور اسکی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیئے اور یہ کہ وہ ان سے کیا چاہتا ہے اسوقت تک دنیا میں صحیح معنوں میں امن کا قیام نہیں ہوسکتا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں دو ہی مقاصد لیکر آیا ہوں ۔ پہلا یہ کہ لوگوں کا تعلق خدا سے جوڑوں اور دوسرا یہ کہ انسان کو دوسرے انسانوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کیطرف متوجہ کروں۔

طارق بی ٹی: حضور! دینا کو اسوقت جو چیلنج درپیش ہیں ان میں سے ایک موسمیاتی تبدیلی بھی ہے۔دنیا کا کم وبیش ہر لیڈر موسمی اور ماحولیاتی تبدیلی کے متعلق ضرور بات کرتا ہے۔ ہر جگہ موسمی تبدیلی کی بات ہو رہی ہے اور یہ کہ ہمیں اسکے لئے عملی اقدامات کرنے چاہئیں۔کیا ااس موضوع پر حضور کچھ کہنا پسند فرمائیں گے؟

حضور: اسکا تعلق کلیتاً ایک متوازن اور اپنے پر قابو رکھنے والے نظام (check and balance system) سے ہے۔دنیا کے

نظام میں جو اعتدال اور توازن اسکے خالق نے رکھا تھا اسکو اگر خراب (disturb) کیا جائے تو لازماً اسکے نتیجے میں عدم توازن کے مسائل پیدا ہوں گے۔ مگر اب وہ اپنے موقف میں تبدیلی لا رہے ہیں جو جدید تحقیق پر مبنی ہے کہ صرف پٹرول اور گیسز کا استعمال اور درختوں کا کاٹا جانا ہی اسکا سبب نہیں ہے۔ تاہم اس بات میں صداقت ہے کہ خاص طور پر افریقہ اور ایشیا کے ممالک میں جنگلات بڑی تیزی سے بلکہ ظالمانہ طور پر کاٹے جا رہے ہیں اور اسکے مقابل پر نئے درخت لگانے کی طرف اتنی توجہ نہیں ہے۔ جنگلات دوبارہ لگانے اور انکے احیا کا کام نہیں ہو رہا۔ اگرچہ محکمہ جنگلات کیطرف سے اس مقصد کیلئے شجر کاری کے دفاتر قائم کئے گئے ہیں لیکن وہ اپنا مفوضہ کام نہیں کر رہے۔ بے شک ان ملکوں کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے اور (اس وجہ سے) جنگلات میں کمی ہو رہی ہے۔ لیکن شہروں اور قصبوں میں شجر کاری کی جا سکتی ہے لیکن یہ ہو نہیں رہا۔ آبادی میں اضافے کے ساتھ جدید ٹیکنالوجی اور کاروں کے استعمال میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور ہر شخص کار کے ذریعے سفر کرنا چاہتا ہے۔ یہانتک کہ تیسری دنیا کے ملکوں مثلاً نائجیریا میں حکومت اقدامات کرنے کا سوچ رہی تھی کہ ایک دن طاق نمبروں والی کاروں پر اور دوسرے دن جفت نمبر والی کاروں پر پابندی لگا دی جائے۔ ان لوگوں نے اس مسئلہ کا یہ حل نکالا کہ (اُسوقت انکے پاس پیسے کی فراوانی تھی آجکل مجھے علم نہیں) ہر گھرانے نے دو کاریں خرید لیں ایک طاق نمبر والی اور دوسری جفت نمبر والی!

گیسوں کا اخراج مسلسل بڑھ رہا ہے۔ آبادی میں اضافہ بھی اثر انداز ہو رہا ہے، درختوں اور جنگلوں کو کاٹا جانا، مشینوں کا استعمال، حتیٰ کہ پنکھے اور لائٹس یہ سب چیزیں گرین ہاؤس گیسز کے بڑھنے کا موجب بن رہی ہیں۔ اسکے لئے غور کرنا ہوگا کہ آپ کیا اقدامات کریں۔ کم توانائی استعمال کرنے والے بلب بنائے جا رہے ہیں اور غالباً 2015 تک ارادہ اور اندازہ ہے کہ وہ دنیا کہ ہر ملک میں توانائی کا استعمال کم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر درخت اور پودے لگانا سب سے اہم کام ہے۔ مجھے یاد ہے جب میں چھوٹی عمر کا نوجوان تھا (تو سفر کرتے ہوئے) جب راولپنڈی سے گزرتے تھے تو اوپر مری کی سمت میں جاتے ہوئے گھنے جنگلات دکھائی دیا کرتے تھے مگر اب وہ علاقہ اور پہاڑیاں بنجر زمین نظر آتی ہیں۔

ٹومی: بہت سے یورپین ملکوں میں ایک تحریک دکھائی دیتی ہے کہ عورتوں کے سر ڈھانکنے (برقع پہننے) کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اسے روکا جائے۔ اس صورتِ حال میں اسبات کو یقینی بنانے کے لئے کہ اس غرض سے کوئی قانون سازی نہ ہونے پائے، ہمیں کیا اقدامات کرنے چاہئیں۔

حضور: اب اور کتنے سوالات رہ گئے ہیں؟

صدر صاحب: چار اور رہتے ہیں۔ اس (سوال) کے علاوہ تین اور ہیں۔

حضور: چار اور لمبے لمبے ہیں؟

صدر صاحب: باقی چھوٹے ہیں بلکہ بچوں نے کچھ سوال کئے ہیں۔

حضور: سکارف اوڑھنے والا معاملہ؟

ٹومی: جی حضور!

حضور: اگر مسلمانوں میں یکجہتی ہو اور وہ متحد ہوں تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہمارے لباس اور مذہب کا حصہ ہے اور یہ ہماری عورتوں کے تقدس اور احترام سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر عورتیں دنیا کے ہر ملک میں متحد ہوں تو وہ کہہ سکتی ہیں کہ ہم سکارف میں اپنے آپ کو زیادہ آرام وسکون میں محسوس کرتی ہیں ۔ یہ ہمارے تقدس کے لئے ہے۔ ہم اسے ترک نہیں کرنا چاہتیں۔ عورتوں کی بہت سی تنظیمیں ہیں جنہوں نے دوہرے انداز اختیار کئے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات وہ کہتی ہیں کہ ہم سکارف نہیں چاہتیں۔ بعض ممالک میں جہاں سکارف پہننے کا رواج نہیں اور جب مسلمان لڑکی کی پہچان کا معاملہ ہو تو وہ کہتی ہیں کہ ہمارا سکارف ہونا چاہیئے۔

سب سے پہلے تو آپکو اپنے دل کو پاک اور درست کرنا ہوگا۔ اگر مسلمان دنیا کے ہر ملک کی ایک آواز ہو اور وہ متحد ہوں اور وہ پُر زور انداز سے کہیں

NIV
BIBLE

کہ یہ ہمارا مذہبی تقاضا اور طریق ہے کہ ہم سکارف لیتے ہیں اور ہم اسے کسی صورت چھوڑ نہیں سکتے اور مسلمان لڑکی دنیا کے جس ملک میں ہو سکارف کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے تو ایسی صورت میں میرا خیال ہے کہ عیسائیوں کی طرف سے سکارف کے خلاف اسطرح کا شور و غوغا نہ ہوگا۔ مگر (بدقسمتی سے) ہم اپنے اس مذہبی طریق کے ساتھ مضبوطی سے چمٹے ہوئے نہیں ہیں۔ خالی سکارف اوڑھنا کوئی معنی نہیں رکھتا جبتک کہ مذہب پر مکمل طور پر عمل نہ کیا جائے۔ میں نے اسبات کا مشاہدہ کیا ہے کہ احمدی لڑکیاں جو مضبوط ایمان والی ہیں انہوں نے ایسے اعتراضات کے باوجود اپنے سروں سے سکارف نہیں ہٹایا۔ باوجود اسکے کہ ایک لڑکی کو اس وجہ سے اپنی نوکری سے نکال دیا گیا تھا۔ نکالا نہیں گیا تھا بلکہ اسکے باس کیطرف سے نوٹس دیا گیا تھا کہ اگر اس نے کام کے دوران اپنے دفتر میں سکارف اوڑھنا نہ چھوڑا تو اسے کام سے فارغ کر دیا جائیگا۔ اس احمدی لڑکی نے کہا کہ وہ سکارف لینا نہیں چھوڑے گی۔ اس آدمی (یعنی اس کے باس) نے اسے ایک مہینے کا نوٹس دیا تھا۔ لڑکی نے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ وہ بہت نیک لڑکی تھی۔ تو اس لڑکی نے بتایا کہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے خود اُس کے باس کو کام سے فارغ کر دیا گیا۔ تو آپکا خدا سے ذاتی تعلق ہونا چاہیئے اور مسلمان ملکوں میں یکجہتی ہونی چاہیئے۔ اگر وہ سب اکھٹے اور متحد ہوں تو انکا جواب یہ ہوگا کہ اچھا اگر تم ایسا کروگے تو ہم تمہیں یعنی مغربی ممالک کو تیل دینا بند
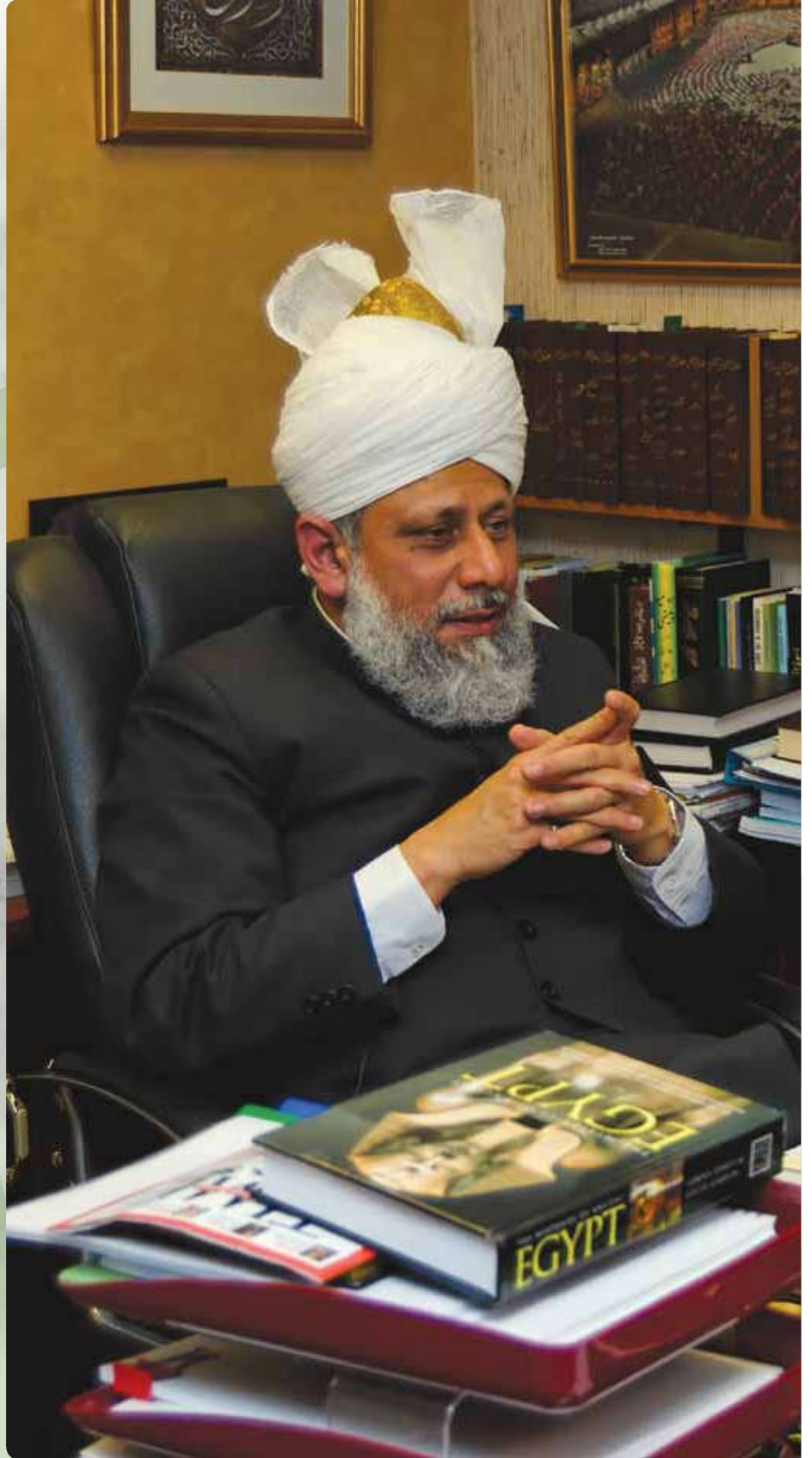
کر دینگے۔ (تو اس کے نتیجے میں) یہ لوگ ڈھیلے پڑ جائینگے۔ مگر کون ہے جو اسقدر جرأت والا قدم اٹھائے؟

ٹومی: آپ کونسی کھیلیں پسند کرتے ہیں؟

حضور: پچھلی مرتبہ میں نے آپکو بتایا تھا کہ میں بہت سی کھیلوں میں حصہ لیتا رہا ہوں۔ مگر کسی بھی کھیل میں زیادہ اچھا نہیں تھا۔ میں نے کرکٹ بھی کھیلی ہے، بیڈمنٹن بھی کھیلتا رہا ہوں۔ مگر کبھی بھی کھیلوں سے دیوانگی والا لگاؤ اور شوق نہیں تھا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ کرکٹ میچ ہو رہا ہو تو صبح سے شام تک اسے دیکھنے کے لئے بیٹھے رہتے ہیں۔ میرے ساتھ ایسا نہیں تھا مگر میں کرکٹ کو پسند ضرور کرتا تھا۔

طارق بی ٹی: کیا ہم حضور سے یہ بات پوچھ سکتے ہیں کہ انگلستان اور پاکستان کھیل رہے ہوں تو حضور ان میں سے کس کو support کرینگے۔ یہ وہ سوال ہے جو اکثر نوجوانوں اور بچوں سے سکول میں پوچھا جاتا ہے کہ وہ کس کو support کرتے ہیں؟

حضور: انہیں یہ جواب دینا چاہئے: **حب الوطن من الایمان**
وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔ اگر وہ برٹش نیشنل ہیں تو اس صورت میں انہیں انگلستان کو support کرنا چاہئے۔ اگر آپ زمبابوے سے تعلق رکھتے ہیں تو زمبابوے کو support کریں۔ لیکن اگر نیشنیلٹی یو کے کی ہے تو پھر یو کے کو support کرنا چاہئے۔

ٹومی: لیکن اگر دونوں ملکوں کی نیشنیلٹی ہو تو پھر؟

حضور: پھر آپکو فیصلہ کرنا ہوگا کہ آپکو زیادہ benefits کہاں مل رہے ہیں؟

ندیم الرحمٰن: حضور آپکا پسندیدہ کھانا کون سا ہے۔

حضور: میں sea food پسند کرتا ہوں مگر آج صبح جب میں ٹی وی کے پاس سے گزر رہا تھا تو کوئی شخص کسی عورت سے پوچھ رہا تھا کہ اسکا پسندیدہ کھانا کونسا ہے تو اُس نے جواب دیا کہ sea food اور خاص طور پر Lobster۔ مگر مجھے Lobster پسند نہیں ہیں۔ میں زیادہ نہیں کھاتا سوائے اسکے کہ اچھے پکے ہوں۔ اچھا بنایا ہوا sea food میں پسند کرتا ہوں۔ میں چکن بریسٹ پسند نہیں کرتا ٹانگ کی بوٹی لیتا ہوں۔

طارق بی ٹی: حضور ہم (اپنی) Barbeque میں اسکا خیال رکھیں گے۔

طارق بی ٹی: حضور آخری سوال یہ ہے کہ آغاز خلافت سے یا اس سے بھی پہلے کی زندگی کا کوئی دلچسپ واقعہ یا لطیفہ آپکو یاد آتا ہو۔ یا سفر کے دوران پیش آنیوالا کوئی واقعہ جو حضور ہمارے ساتھ share کرنا پسند کریں۔

حضور: دلچسپ اور سفر کے دوران پیش آنیوالا! مجھے واقعات اتنی جلدی یاد نہیں آتے۔ کوئی ایک یاد آ گیا تو بتا دونگا۔ (کچھ توقف کے بعد حضور فرماتے ہیں) ایک دفعہ کی بات ہے کہ نتھیا گلی میں میری فیملی اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں روزانہ میں اور حضرت صاحب ہائیکنگ کیلئے جاتے تھے۔ ہم پہاڑیوں پر دور تک نکل جاتے تھے۔ رستہ میں ہم بہت انجائے کرتے تھے۔ لطیفے بھی ہوتے تھے لیکن یاد نہیں آ رہے۔
ہاں! یہاں ایک دفعہ ہم دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے (یہ واقعہ سنایا)۔ ہمارے دادا حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ مزاحیہ شعر لکھتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلسہ کے بعد بعض دفعہ شکار پر جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ نیل گائے کے شکار پر گئے۔ ایک بزرگ (بھی ساتھ تھے) انہوں نے دور گھاس میں کچھ ہلتے دیکھا، بڑی اونچی گھاس تھی، کان بھی نظر آئے وہ سمجھے نیل گائے ہے تو فائیر کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد (وہاں سے) ایک گدھے کی

آواز آنی شروع ہوئی۔ ایک آدمی بڑا پریشان اور غصے میں آیا کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ انہیں یہ بھی پتہ نہیں لگتا کہ نیل گائے ہے یا گدھا ہے۔ میرا گدھا مارنے لگے تھے اور ساتھ مجھے بھی مارنے لگے تھے۔ رائفل کا فائیر تھا۔ شکر ہے بچ گیا۔ اس پر مرزا شریف احمد صاحبؓ نے یہ شعر سنائے:

یہ زمانہ کیسا بدل گیا!
کہ جنہیں یہ بھی نہیں پتہ
ہے گدھے میں گائے میں فرق کیا
چلے گھر سے کرنے شکار ہیں
نہ وہ نیل گائے ہیں مارتے
نہ ہرن کا کچھ ہیں بگاڑتے
بس صرف میرے کان ہی پھاڑتے
انہیں بس مجھی سے نِکار ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو انہوں (حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ) نے کہا کہ یہ شعر میں نے لکھے ہیں۔ تم فلاں بزرگ سے پوچھو کہ یہ کس کے متعلق ہیں۔ وہ انہی (بزرگ) کے متعلق تھے۔ ان کو (سن کر) بڑا غصہ آیا اور کہنے لگے کہ تمہاری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو شکایت کرونگا۔

بڑے لطیفے ہوتے تھے۔ اگر میں اکیلا بیٹھا ہوں تو مجھے باتیں یاد آتی ہیں تو نوٹ کر لیتا ہوں۔

صدر صاحب: حضور کی خدمت میں انشاءاللہ درخواست ہے کہ اگر (آپ) کو یاد آئے (تو ہمارے لئے نوٹ کر لیں)

حضور: وہ ہوا تو میں دے دونگا۔

حضور: السلام علیکم